شہری

برائے بہتر ماحول

جنوری تا جون 2005ء

شہری

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے... مارگریٹ میڈ

اندرونی صفحات میں

- شہری سرگرمیاں
- شہری ایڈووکیسی
- ثقافتی گاؤں کا منصوبہ
- شہری سٹیزن کمیونٹی بورڈ

ثقافتی گاؤں کا منصوبہ

اس سے کراچی کو ایک ثقافتی خود اعتمادی حاصل ہو گی

آرٹس کونسل کے گرد و پیش میں ایک ثقافتی گاؤں بنانے کا منصوبہ ہے

فنون سے مالامال اس شہر کی طرف شاید اس طرح ارباب اقتدار کی توجہ مرکوز ہو

شہر میں ہر طرف بلند و بالا کئی منزلہ عمارتیں ہیں، شاپنگ پلازہ میں کھانے پینے کے ریستوران اور اسٹال ہیں، لیکن بمشکل کوئی گوشہ ایسا نظر آئے گا جو فنکاروں، مصوروں، موسیقاروں، شاعروں، مجسمہ سازوں اور دستکاروں کے لیے مخصوص ہو، کوئی ایسی جگہ جہاں یہ لوگ مل سکیں، جہاں ایک کروڑ پچاس لاکھ شہریوں کے لیے تفریح کے اسباب میسر ہوں۔ تاہم ایک منصوبہ کوچہ ثقافت کی تعمیر کا ہے۔ آرٹس کونسل آف پاکستان کے گرد و پیش ایک ثقافتی گاؤں جس سے یہ امید کی جائے گی کہ اس دیرینہ صورتحال کو بدل دے۔

اس ماہ کے شروع میں گورنر سندھ ڈاکٹر عشرت العباد نے اس منصوبے کے خیال کی توثیق کردی اور اس علاقے کو ثقافتی گاؤں بنانے کے احکام جاری کردیئے۔ آرٹس کونسل کی کوچہ ثقافت کمیٹی کے چیئرمین سیف الرحمن

کوچہ ثقافت کا انعقاد

انسان فطرتاً ایک معصوم بچہ ہے یا دوسروں کے خون کا پیاسا ایک وحشی درندہ......؟ یہ سوال مجھے اکثر پریشان کرتا ہے کیونکہ مختلف اوقات میں انسانی فطرت کے یہ دونوں مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں۔ اپنے اندر کے بچے سے تو میری شناسائی ہے۔ ورنہ بچوں کی کتابیں، رسالے، کارٹون، لطیفے اور کامکس (Comics) مجھے اس طرح اپنی طرف نہ کھینچتے، لیکن دوسروں کے اندر چھپے معصوم بچے کی تصدیق گزشتہ اتوار ہی پھر سے ہوئی۔ میری یہ شام کراچی کے کوچہ ثقافت میں گزری۔ اس شام نے میرے اس یقین کو اور پختہ کردیا کہ انسان، عمر کے لحاظ سے چاہے کتنا بزرگ ہی کیوں نہ ہو جائے، بچوں کا سا تجسس، حیرت اور خوشی اس کے اندر سے کبھی نہیں جاتی۔ شاید یہی زندگی کا حسن بھی ہے۔ پاکستان آرٹس کونسل کے برابر والی سڑک کو جس کے سامنے ہندو جیم خانے کی خوبصورت عمارت ہے۔ اتوار کے روز شام تین بجے سے ٹریفک کے لیے مکمل طور پر بند کر کے اور شامیانے تان کے ''کوچہ ثقافت'' میں تبدیل کردیا جاتا ہے۔ جہاں مختلف ہینڈی کرافٹس، کتابوں کے اسٹالز، کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ مختلف فنکار اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً کمہار اپنے چاک پر بیٹھا برتن بنا رہا ہے۔

(صفحہ 4 ملاحظہ فرمایئے)

شہری
جی 206 بلاک 2۔ پی ای سی ایچ ایس
کراچی۔ 75400، پاکستان
ٹیلی فون / فیکس 92-21-453-0646
E-mail: Shehri@onkhura.com
(Web site)
www.shehri.org
ایڈیٹر : سمیرا نعیم
انتظامی کمیٹی:
چیئر پرسن : رونالڈ ڈی سوزا
وائس چیئر پرسن: ایس رضا علی گردیزی
جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی
خزانچی : شیخ رضوان عبداللہ
ارکان : خطیب احمد، ڈیرک ڈین، حنیف اے ستار
شہری اسٹاف:
کوآرڈی نیٹر : سرور خالد
اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر: ریحان اشرف
بانی ارکان:
نوید حسین، قاضی فائز عیسیٰ
حمیرا رحمٰن، دانش آذر زوبی
زین شیخ، خالد ندوی، قیصر بنگالی
شہری ذیلی کمیٹیاں:
i- قانون
ii- میڈیا اور بیرونی روابط
iii- آلودگی کے خلاف
iv- پارکس اور تفریح
v- اسلحہ سے پاک معاشرہ
vi- تحفظ ورثہ
vii- مالی حصول
شہری کی رکنیت ”شہری برائے بہتر ماحول“ کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔
ایڈیٹر / ادارتی عملہ کا خبرنامہ میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔
لے آؤٹ اور ڈیزائن: حیاء الدین حیات
پروڈکشن: انٹر پریس کمیونی کیشن (IPC)
مالی تعاون: فریڈرک نومان فاؤنڈیشن
رکن IUCN دی ورلڈ کنزرویشن یونین

گرامی نے گورنر کے سامنے مجوزہ منصوبہ پیش کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ ایم آر کیانی روڈ کے آس پاس کا علاقہ جو شہر کے قلب میں واقع ہے، معمولی ردوبدل کے ساتھ ایک ثقافتی علاقے میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

گرامی صاحب کے خیال میں کوچہ ثقافت کا خیال ان کے ذہن میں 1991ء میں آیا جب کراچی کے سابق میئر ڈاکٹر فاروق ستار نے پرنس گارڈن کی کنکریٹ سے بنی ہوئی دیواریں تڑوادیں اور ان کی جگہ لوہے کی سلاخیں لگوادیں۔ پرانی عمارت کے ڈیزائن اور طرز تعمیر اور گردوپیش کے ڈھانچے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ منصوبہ بنانے والوں کے ذہن میں، ثقافتی گاؤں کی تعمیر کا خیال اس وقت آ گیا تھا، جب انہوں نے اس علاقے کے بارے میں منصوبہ بندی شروع کی۔ اس خیال کو جن عمارات سے تقویت ملتی ہے ان میں سپریم کورٹ کی بلڈنگ شامل ہے، جو پہلے البرٹ وکٹوریہ میوزیم کہلاتی تھی، پھر ہندو جیم خانہ ہے، پرنس گارڈن ہے، ایوان رفعت (فیضی رحمان آرٹ گیلری) ہے اور آرٹس کونسل آف پاکستان تو ہے ہی۔ آرٹس کونسل کے سامنے سڑک کی دوسری طرف علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، ہندو جیم خانہ جہاں اب نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹس واقع ہے۔ واضح ہو کہ ہندو جیم خانہ کے شامیانے پر پولیس نے اپنی رہائش کے لیے قبضہ جما رکھا ہے اور پھر شاہین کمپلیکس ہے، اس علاقے کی واحد سب سے پرانی عمارت۔ تاہم اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں چورنگی کے دوسری طرف آئی آئی چندریگر روڈ شروع ہو جاتی ہے، جس پر 87 روزناموں اور 26 مجلّوں کے دفاتر واقع ہیں، اس کی دوسری جانب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد روڈ ہے، یہاں سے باغ جناح (پرانے پولوگراؤنڈ) میں داخل ہوتے ہیں۔ پھر پنج ستارہ ہوٹل آتے ہیں اور ساتھ ہی جناح کورٹس کی تاریخی عمارت، جسے ابتداء میں طلبہ کے لیے ہوسٹل کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا، لیکن وہاں رینجرز کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

ایوان صدر پر واقع گورنر ہاؤس کی تاریخی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کراچی جیم خانہ کے آگے سڑک کی دوسری طرف دو پُرشکوہ بنگلے ہیں، جہاں ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسر (ڈی سی او) اور چیف سیکریٹری قیام کرتے ہیں۔ آرٹس کونسل سے مولانا دین محمد وفائی روڈ کی طرف مڑ جائیں تو آگے بوائے اسکاؤٹ ایسوسی ایشن اور وائی ایم سی اے گراؤنڈ واقع ہیں، جہاں فری میسن لاج ہے اور اس میں سندھ وائلڈ لائف ڈپارٹمنٹ ہے، اس سے متصل پاکستان انٹرنیشنل افیئرز (پی آئی اے) کا شاندار ادارہ ہے جس میں تحقیق کی سہولت حاصل ہے۔ آرٹس کونسل سے کچھ دور چل کر کراچی پریس کلب کی عمارت آتی ہے۔ گرامی صاحب نے کہا ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں جن لوگوں کے ذہنوں میں اس علاقے کی منصوبہ بندی کا خیال آیا تو کچھ ایسی ہی بات ان کے پیش نظر تھی۔“

انہوں نے کہا ان تمام عمارتوں اور سہولتوں سے کوچہ ثقافت کی تعمیر کے خیال کو تقویت ملتی ہے، تاہم یہ عمارتیں اور سہولتیں مختلف مالکان کے تصرف میں ہیں۔ مثال کے طور پر نیشنل میوزیم آف پاکستان وفاقی حکومت پاکستان کے قبضے میں ہے، ایوان رفعت، سٹی گورنمنٹ کراچی کے تصرف میں ہے اور آرٹس کونسل ایک این جی او یعنی غیر سرکاری ادارہ ہے۔ یہ املاک اپنے اپنے مالکوں کے پاس بدستور رہیں گی، تاہم ایک تجویز یہ ہے کہ حکومت اعلیٰ سطح کی ایک بااختیار کمیٹی قائم کرے گی جو کم از کم ہر عمارت کے ایک منصوبے میں اس کے مالک کو شامل کرے گی۔ گرامی صاحب نے یہ بات واضح کردی کہ یہ منصوبہ ابھی صرف کاغذ پر ہے، اس کا آغاز ایک بک بازار سے ہوگا، جس کے بعد مختلف مصور اپنی پینٹنگز کی نمائش کریں گے۔ یہیں ثقافتی گاؤں کی خاص گزرگاہ یعنی ایم آر کیانی روڈ پر تصاویر نمائش کے علاوہ فروخت کے لیے بھی رکھی جائیں گی۔ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی جس میں تمام مالکان کے نمائندے شامل ہوں گے، حکومت سندھ کی سربراہی میں قائم کی جائے گی۔ مالکان سے یہ کہا جائے گا کہ اسپانسرشپ اور عطیات کے ذریعے یا خود اپنے وسائل سے سہولتوں کا معیار بلند کریں۔ یہ کمیٹی ہر سال کے آغاز میں آئندہ تقریبات کا ایک کیلنڈر مرتب کرے گی اور پروگراموں کا شیڈول بنائے گی، جس میں ڈرامہ، تھیٹر، شام موسیقی، مشاعرہ، نمائشیں، آرٹس کے نمونے اور ہنرکاری کے پروگرام شامل ہوں گے۔ ان پروگراموں کا شیڈول ہوائی اڈے، ریلوے اسٹیشن اور پنج ستارہ ہوٹلوں میں بھی دستیاب ہوگا، جہاں باہر سے آنے والے یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ تمام دن کی مصروفیات کے بعد تازہ دم ہونے کے لیے وہ کس پروگرام میں شرکت کریں۔ سرگرمیوں کا شیڈول اس طرح بنایا جائے گا کہ ایک کا دوسرے سے تصادم نہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر مسلم جیم خانہ میں مشاعرہ ہو رہا ہو تو آرٹس کونسل یا ایوان رفعت ڈرامہ اسٹیج کرسکیں گے۔

شام کے وقت ایم آر کیانی روڈ اور اس کے ساتھ کی سڑکوں پر ٹریفک کی ممانعت ہوگی، بہ الفاظ دیگر اس علاقے کو شام سے نصف شب تک صرف پیدل چلنے والوں کے لیے مخصوص کردیا جائے گا، یہ پیدل گزرگاہ ہوگی۔

سہولتوں کی فراہمی اور فنڈ کے بارے میں گرامی صاحب کا خیال ہے کہ اس کے لیے زیادہ رقم درکار نہیں ہوگی۔ مثال کے طور

ایک پینٹر یا آرٹسٹ کے لیے کچھ آہنی فریم اور دھوپ سے سر چھپانے کے لیے تھوڑے سے کپڑے کی ضرورت ہوگی، تاہم ان کا خیال ہے کہ بک بازار کے لیے کتاب رکھنے والوں کو اپنا سامان لانے لے جانے کے لیے بار برداری پر کچھ رقم خرچ کرنی پڑے گی۔ لہٰذا تجویز یہ ہے کہ پہلے بک بازار میں کوئی رقم نہیں لی جائے گی اور وہ مفت ہوگا۔ دوسری مرتبہ 75 فیصد خرچ حکومت ادا کرے گی اور تیسری بار ہر فریق اخراجات کا 50 فیصد ادا کرے گا۔ یہ ایک نرم ابتدا ہوگی۔ امید ہے کہ اس ماہ (اپریل) کے آخر تک ہم کتابوں اور پینٹنگز کا بازار شروع کردیں گے۔ انہوں نے مزید کہا ہمارے منصوبے کو بڑے پیمانے پر تعاون کی پیشکش ہوئی ہے۔

کراچی یونیورسٹی میں ویژول اسٹڈیز کی چیئرپرسن دُریا قاضی کہتی ہیں: ''میں اس سے بہت خوش ہوں، ان کے خیال میں اس سے شہر کو ایک ثقافتی خوداعتمادی حاصل ہوگی اور کاریگروں اور ہنرمندوں کو روزگار میسر آئے گا۔ دریا قاضی نے کہا ''غالباً ہماری سوسائٹی واحد سوسائٹی ہے جہاں فنون اور دستکاریاں اب تک ہماری روزمرہ زندگی کے معمولات میں ہیں۔ لوگ ملتان دو باتوں کے لیے جاتے ہیں دستکاریاں خریدنے کے لیے یا مزاروں پر حاضری دینے کے لیے۔'' انہوں نے مزید کہا کہ دیہی سندھ کے دستکار بے چینی کے ساتھ ایسی جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں وہ اپنے فنی نمونوں کی نمائش کرسکیں اور انہیں بیچ سکیں۔ ہمیں اپنے کلچر کو دکھانے کے لیے ایک مرکزی جگہ چاہئے۔ جب وائی ایم سی اے میں دستکاریوں کا بازار لگتا ہے اور جب جاپان کے قونصل خانے میں اس کا اہتمام ہوتا ہے تو دیکھنے والوں کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں بڑا کارپوریٹ (صنعتی کاروباری) کلچر ہم پر چھا جائے گا تو اس وقت ہمارے دستکار کہاں جائیں گے؟ انہوں نے اس سوال کے ساتھ ہی کہا، اگر ہمارے دستکاروں کو سہولتیں نہ دی گئیں تو کارپوریٹ کلچر کی بھیڑ میں گم ہوجائیں گے۔

مراکش کی مثال دیتے ہوئے انہوں نے کہا وہاں پر شہر کے باہر ایک وسیع قطعہ دستکاروں کے لیے مخصوص کردیا گیا ہے کہ اپنے بازار لگائیں اور سیاحوں کے ہاتھ اپنی اشیاء فروخت کریں۔ انہوں نے بتایا کہ مراکش قومی آمدنی کا 70 فیصد دستکاریوں کی فروخت سے کماتا ہے۔

ندا علی ایک شاعرہ ہیں۔ انہوں نے ممبئی کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ ایسے گاؤں ساحل کے کنارے بھی قائم کرنے چاہئیں تاکہ سیاح ان کی دستکاریوں کی طرف مائل ہوں۔ سیاح جب کراچی آتے ہیں تو انہیں کسی جگہ میں اپنے لیے بمشکل کشش نظر آتی ہے۔ ممبئی میں ایسے ثقافتی گاؤں یا ڈھابے ساحل کے کنارے واقع ہیں جہاں مٹی کے برتنوں اور دستکاریوں کی نمائشیں لگتی ہیں۔

تانیا ناصر ایک نوجوان اندرون خانہ ڈیزائنر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان چوک کا علاقہ جو اپنی قدیم عمارتوں کی بدولت نمایاں نظر آتا ہے ہمارے قومی ورثے کا حصہ ہے، چنانچہ مجوزہ منصوبے میں اسے بھی شامل کرلینا چاہئے۔

شمیم عالم آرٹس کونسل آف پاکستان کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مجوزہ جگہ ہماری زبردست تہذیبی درسگاہ ثابت ہوگی اس طرح ہم اپنے کلچر اور تہذیبی اقدار سے مانوس ہوں گے۔ یہ شہر اپنے تشخص یا شناخت کے مسئلے سے دوچار ہے، اسے ایک ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں لوگ اپنے کنبے کے افراد اور مہمانوں کے ساتھ آسکیں۔ انہوں نے کہا ایک طرف ہماری فوڈ اسٹریٹ چاروں صوبوں کے لذیذ کھانے یہاں آنے والوں کو پیش کرے گی دوسری طرف ہمارے آرٹسٹ اور پینٹر اپنے کام اور مصروفیات میں محو ہوں گے اور آس پاس بیک وقت بہت سی سرگرمیاں ہو رہی ہوں گی۔ یہ سب کچھ یہاں آنے والوں کو تفریح کے ساتھ ثقافت کا درس بھی مہیا کرے گا۔ شمیم عالم کے بیان کے مطابق زمین دوز راستے اور بالائی پل بھی اس منصوبے کا حصہ ہوں گے تاکہ راہ گیر آزادی سے چل پھر سکیں۔ ان سیاسی اور نظریاتی اختلافات کے حوالے سے جو شہری اور صوبائی حکومتوں کے درمیان پائے جاتے ہیں مذکورہ منصوبے کو بروئے کار لانے میں رکاوٹیں پیدا ہوسکتی ہیں، لیکن شمیم عالم نے ایسے تمام اندیشوں کو رد کردیا اور کہا کہ گورنر اور سٹی ناظم کے درمیان اختلافات کے باوجود شہر کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کے معاملے میں سب متفق ہیں۔

کلچر کسی قوم کے طرز زندگی کا نام ہے۔ ہر معاشرہ اپنے کلچر کی زبان میں مکالمہ کرتا ہے، کلچر قوموں کے درمیان رابطے اور تعلق کی پیداوار ہے اسی کے توسط سے لوگوں کے خیالات، عقائد اور اقدار کا پتہ چلتا ہے۔ اگر کسی سوسائٹی کے پاس کلچر نہیں تو وہ بے چہرہ لوگوں کا ہجوم ہوگا۔

ثقافتی اوزار جیسے گانے، رقص، ڈرامہ یہ سب ایسے تہذیبی قرینے ہیں جو سماج کو پارہ پارہ ہونے سے بچالیتے ہیں۔ سحر انصاری کے بقول جو آرٹس کونسل کی گورننگ باڈی کے رکن بھی ہیں، ثقافت تمام انسانی سرگرمیوں کا مجموعہ ہوتی ہے، جس میں ادب، مذہب اور تفریحات سب شامل ہیں۔ انہوں نے کہا چونکہ آرٹس کونسل آرٹ، لٹریچر، موسیقی اور پینٹنگ کا مرکز ہے اس لیے اس کے پہلو میں ثقافتی گاؤں کی تعمیر نہایت مناسب بات ہوگی۔

نیشنل اکیڈمی آف پرفارمنگ آرٹس ابھی حال ہی میں قائم ہوئی ہے، اس کے سربراہ ضیاء محی الدین نے امسال جنوری میں آرٹس کونسل کی تقریب حلف برداری کے موقع پر یہ بات بہ اصرار کہی کہ آرٹس کونسل کے گرد وپیش کو ایک ثقافتی علاقہ بنایا جائے۔ اگر اس علاقے کو ایک ثقافتی مقام قرار دے دیا جائے جہاں رکشے اور دوسری گاڑیوں کا داخلہ ممنوع ہو تو یہاں فنی اور تہذیبی سرگرمیاں کسی روک ٹوک کے بغیر آزادی سے جاری رہ سکیں گے، تاہم انہوں نے یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اس کے بعد فٹ پاتھیے دندان ساز اور حجام بھی ہر طرف پھیل جائیں گے اور جو جگہ فنکاروں کے لیے مخصوص ہوگی اس پر قبضہ جمالیں گے۔ لیکن پھر سوال ہوتا ہے کہ اس منصوبے کو چلائے گا کون؟ شہری حکومت یا صوبائی حکومت؟

گرامی صاحب نے جو ڈسٹرکٹ آفیسر کمیونٹی ڈیولپمنٹ بھی ہیں، کہا ''ابھی یہ طے نہیں ہوا''۔

قانون اور امن عامہ کی صورتحال کو دیکھتے ہوئے ساتھ ہی سیاسی عدم استحکام اور مذہبی بالادستی کے پیش نظر جو آرٹ اور کلچر کی تعریف کے سوال پر مختلف نظریوں پر کاربند نظر آتے ہیں، نقاد حضرات اس منصوبے کے قابل عمل ہونے کے بارے میں سوالات اٹھاتے ہیں۔ کیا ہمارے ذہن ایسے کسی منصوبے کو بروئے کار لانے پر آمادہ ہیں، جبکہ ہم اپنے ثقافتی ورثے جیسے موہن جوڈارو سے جو دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک ہے، یکسر لاتعلق ہیں؟ یہ لوگ سوال کرتے ہیں۔

جب ملک کی ایک بڑی آبادی افلاس کا شکار ہو، ایسی کوششوں پر اربوں روپے خرچ کردینے کا کوئی موقع نہیں، جسے بالآخر ناکام ہو جانا ہے، بعض ناقدوں کا یہ قول ہے۔ بہرحال جو لوگ مجوزہ منصوبے سے مخلص ہیں انہیں اس وقت تک انتہائی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوگی، جب تک چیزیں واضح نہیں ہوتیں اور مقصد حاصل نہیں ہو جاتا۔ ❀❀❀

روبینہ جبار

(بشکریہ: ''دی نیوز'' کراچی)

بقیہ: کوچہ ثقافت کا انعقاد

پورٹریٹ بنانے والا کسی کو سامنے بٹھائے اس کی شبیہ بنانے میں مصروف ہے، کہیں اسٹریٹ تھیٹر میں ڈرامہ فنکار اپنے جوہر دکھا رہے ہیں تو کہیں کوئی لوک فنکار اپنے ساز و آواز کا جادو جگا رہا ہے۔ غرض عجب میلے کا سا سماں ہوتا ہے۔ کوچہ ثقافت یا کلچر ولیج کا تصور دنیا کے کچھ ممالک میں کافی مقبول ہے۔ پاکستان میں یہ تجربہ پہلی بار کیا گیا ہے۔ یوں ثقافتی میلے اور اس طرح کی نمائشیں تو بہت ہوتی رہتی ہیں اور فوڈ کورٹس اور فوڈ اسٹریٹس کا تصور بھی ہمارے ہاں رواج پاچکا ہے لیکن اتوار کے اتوار کسی معمول کے استعمال کی سڑک کو اس طرح بند کر کے لوگوں کو تفریح مہیا کرنے کا یہ پہلا تجربہ ہے۔ کوچہ ثقافت کو وجود میں آئے چار اتوار ہو چکے تھے۔ کراچی سے غیر حاضری کی وجہ سے یہ میرا پہلا چکر تھا۔ شام کے نو بجے کے قریب روشنیوں، موسیقی اور لوگوں کی موجودگی سے ایک میلے کا سا سماں تھا اور ذہن کسی صورت یہ یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ ہمارے قدموں کے نیچے بچھی یہ خاموش سڑک وہی ہے جو دن بھر شور ہنگامے، ٹریفک کے غل گپاڑے اور رش کی وجہ سے کہیں نظر نہیں آتی۔ یوں تو تمام اسٹالوں پر ہی لوگوں کی توجہ تھی اور جیسا کہ انتظامیہ کے اعداد و شمار سے اندازہ ہوا کہ یہاں چیزوں کی بکری بھی خاصی ہو جاتی ہے، کتابوں اور ہینڈی کرافٹس کے اسٹال پہلے اتوار کے مقابلے میں تین سے چار گنا بڑھ چکے ہیں لیکن اصل رونق تو اسٹریٹ تھیٹر پر تھی، مگر اس سے بھی دگنا ہجوم اس اسٹال پر تھا جہاں پاکستان کی دیہی ثقافت کو حرکت کرتے ہوئے مختلف ماڈلز کے ذریعے اس طرح اجاگر کیا گیا تھا کہ حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔ خوبصورت درختوں کے نیچے اور کچے گھروں کے آنگن میں کہیں کوئی عورت بیٹھی چکی پیس رہی تھی، تو کوئی کھڑی دھان کوٹتی تھی، کہیں کوئی فنکار اپنے ساز کو لیے بجا رہا تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے ماڈلز میزوں پر بند شیشوں کے اندر دھرے تھے اور ایک دنیا منہ کھولے حیرت اور بچوں جیسی خوشی سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ میرا بھی کافی وقت ان اسٹالز پر گزرا۔ تبھی میں نے جانا کہ انسان کے اندر کا بچہ ہمیشہ بچہ ہی رہتا ہے۔ یہ بچہ چھوٹی چھوٹی حرکت کرتی انسانی شکلوں میں دلچسپی رکھنے کے علاوہ اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی قربت یعنی ہجوم اور رونق میلے کا بھی دلدادہ ہے، جہاں تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنی روزمرہ کی پر مشقت اور بے کیف زندگی کو بھول جاتا ہے۔

میں نے دل ہی دل میں ان کے منتظمین کا شکریہ ادا کیا۔ اگرچہ بہتری کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے مثلاً کتابوں کے اسٹالوں پر وہ رونق نہیں جو خریداروں کو ادھر آنے پر مجبور کر سکے۔ میرے خیال میں اس کے لیے اسٹریٹ تھیٹر والوں کی طرح کا جوش اور جذبہ کسی اور میں بھی ہونا چاہیے، کھانے پینے کے اسٹال بھی کافی بے روح لگے۔ بہر حال یہ چیزیں تو ہوتی رہیں گی۔ بنیادی بات تو آئیڈیا ہے اور اسے کر گزرنے کی ہمت۔ ابھی میں اس ہمت کو سراہنے کے خوشگوار تجربے سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو پائی تھی کہ پیر کی شام کراچی والوں کے لیے غم و اندوہ کا پیغام لے کر آ گئی۔

> پاکستان آرٹس کونسل کے برابر والی سڑک کو جس کے سامنے ہندو جیم خانہ کی خوبصورت عمارت ہے، اتوار کے روز شام تین بجے سے ٹریفک کے لیے مکمل طور پر بند کر کے اور شامیانے تان کے ''کوچہ ثقافت'' میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، جہاں مختلف ہینڈی کرافٹس، کتابوں کے اسٹالز، کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ مختلف فنکار اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً کمہار اپنے چاک پر بیٹھا برتن بنا رہا ہے، پورٹریٹ بنانے والا کسی کو سامنے بٹھائے اس کی شبیہ بنانے میں مصروف ہے، کہیں اسٹریٹ تھیٹر میں ڈرامہ فنکار اپنے جوہر دکھا رہے ہیں تو کہیں کوئی لوک فنکار اپنے ساز و آواز کا جادو جگا رہا ہے

گلشن کراچی میں مسجد کے اندر نمازیوں پر خودکش حملہ آوروں کے حملے میں دو نمازی، ایک کانسٹیبل شہید ہوئے اور اس کوشش میں تین حملہ آور بھی جان سے گئے، زخمی ہونے والوں کی حالت کا اندازہ ابھی پوری طرح نہیں ہو پایا تھا کہ جماعت اسلامی کے ایک سرگرم رہنما اسلم مجاہد کی خبر ملی جنہیں کچھ دہشت گردوں نے اغوا کر کے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ اس سب کے نتیجے میں عوامی غصے کا جو ریلا آیا یا شاید جس کے لیے پہلے سے منصوبہ بندی کی گئی تھی اس میں بہت سی عمارتیں، پیٹرول پمپ، ریسٹوران اور کئی گاڑیاں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ چھ قیمتی اور معصوم جانیں، ایک ریسٹوران میں لگائی جانے والی آگ کی لپیٹ میں آ کر کوئلہ ہو گئیں۔ ''بھلا اس میں ان بیچارے ورکرز کا کیا قصور تھا'' لوگ افسوس کر رہے تھے لیکن سوچیں تو اس سارے ہنگامے میں کس کا بھی کیا قصور تھا اور ہنگامہ اور آتشزنی بھی ایسی کہ اس علاقے میں موجود ایک ڈاکٹر صاحب بتا رہے تھے کہ انہوں نے اپنے اسپتال کی چھت پر چڑھ کر یہ نظارہ دیکھا اور انہیں لگا کہ وہ پاکستان کے شہر کراچی میں نہیں بلکہ عراق میں موجود ہوں جہاں چاروں طرف آگ کے شعلے اور تباہی و بربادی ہی بربادی مسلط رہتی ہے۔ ایسی ہی افتاد اسلام آباد میں واقع بری امام کے عرس میں بھی آ چکی ہے، عین عرس کے موقع پر خودکش حملہ آوروں کے حملے میں بیس لوگ اپنی جانوں سے گئے، پچاس سے زیادہ زخمی ابھی تک اسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ بھلا ان زائرین کا کیا قصور تھا.....؟ اور اس طرح کے حملے کرنے والے جانے کیسے لوگ ہوتے ہیں؟

انسان کا یہ دوسرا روپ دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ وہ کبھی معصوم بچہ بھی رہا ہوگا یا اب بھی اس کے اندر کہیں معصومیت چھپی بیٹھی ہوگی۔ میں سمجھتی ہوں یہ دونوں روپ ساتھ ساتھ ہر انسان کے اندر موجود ہوتے ہیں صرف حالات، واقعات یا کوئی ایک لمحہ، کسی ایک روپ کو اوپر لے آتا ہے۔ شاید اسی لیے فنون لطیفہ کی آبیاری ضروری سمجھی جاتی ہے کہ وہ انسان کے اچھے، نرم اور معصوم روپ کو ابھارنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے کوچہ ثقافت کا قیام یا اس جیسی کوششیں بڑی مددگار ہو سکتی ہیں۔

مسرت جبیں

(بشکریہ ''جنگ'' کراچی)

❀❀❀

عوامی ایڈووکیسی

شہری رپورٹ

شہری سی بی ای نے لوکل گورنمنٹ کے نظام سے بامعنی طور پر رابطہ رکھنے کی کوششیں کی ہیں اسی طرح اس نے جمشید ٹاؤن میں سٹیزن کمیونٹی بورڈ کے قیام میں رہنمایانہ کردار ادا کیا ہے۔

شہری سٹیزن کمیونٹی بورڈ

اپنی بستی کی ترقی کے لیے مقامی حکومت کا تعاون حاصل کریں

سٹیزن کمیونٹی بورڈ (CCB) نئے لوکل گورنمنٹ آرڈی نینس 2001ء کی ضرورت ہے۔ سٹیزن کمیونٹی بورڈ کے قیام کا مقصد مقامی لوگوں میں یہ تحریک پیدا کرنا ہے کہ لوکل گورنمنٹ کے عہدیداروں کے ساتھ مل کر اپنی بستی کی ترقی اور بہتری کے لیے کام کریں۔ زیرعمل منصوبوں پر مسلسل کام کرنے، اچھی اور معیاری سروس مہیا کرنے اور سوسائٹی میں جمہوریت کی صحیح روح کو پھیلانے کے لیے لوکل گورنمنٹ میں شہریوں کی شرکت ضروری ہوگئی ہے۔

پاکستان میں سماجی ترقی کی علامتیں دنیا بھر میں سب سے کم ہیں، تعلیم، صحت، آبادی، صاف پانی کی فراہمی اور ناصاف پانی کی نکاس۔ یہ وہ امور ہیں جن میں شہریوں کی شرکت اوران کا تعاون ضروری ہوگیا ہے تاکہ کارکردگی کا معیار بہتر ہو اور شہریوں میں یہ احساس پیدا ہو کہ یہ سب کچھ ہمارا ہی ہے۔

حکومت نے جو پہل کاری کی ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے شہری CBE نے حال ہی میں سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی کے اندر جمشید ٹاؤن کی حدود میں سٹیزن کمیونٹی بورڈ کے قیام میں سہولت پیدا کی ہے۔

ذمہ دار شہری

سوسائٹی کا نام ذمہ دار شہری سٹیزنز کمیونٹی بورڈ ہے۔ سوسائٹی جس مقصد کے تحت قائم ہوئی ہے، اس کے چند نکات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(i) موجودہ قوانین، ضوابط اور ریگولیشنز کے بارے میں تحقیق اور تفتیش کرنا، انہیں مرتب کرنا اور انہیں عام لوگوں میں پھیلانا اور/یا ان سے اختلاف کرنا اور ماحول کے ہر پہلو کے تعلق سے نئے قوانین تجویز کرنا، جن میں یہ اوران کے علاوہ بھی امور شامل ہوں گے، یعنی مقامی/حکومتی اور انتظامیہ کے اداروں کی نمائندگی، جرائم پر قابو پانا، ماحول سے کثافت دور کرنا، کمیونٹی کی فلاح و بہبود، مالیاتی کنٹرول اور ٹیکسوں کا نفاذ، تعمیرات میں تخفیف اور ان پر کنٹرول، اراضی کی ترقی اور شہری امور کے حوالے سے دیگر معاملات۔

(ii) ایک محفوظ اور صحتمند طبعی اور سماجی ماحول پیدا کرنے اور اسے برقرار

بانی ارکان

منیجنگ کمیٹی کے پہلے ارکان یہ ہوں گے

(1) امیر علی بھائی	(2) وکٹوریہ ڈی سوزا
(3) راحیلہ خطیب	(4) شاہدہ ابوعلوی
(5) فریدہ مسعود	(6) خدیجہ ظہیر
(7) عذرا عاقل	(8) سلمانہ مجاہد
(9) حسن جمیل علوی	(10) حنیف اے ستار
(11) سید رضا علی گردیزی	(12) شیخ رضوان عبداللہ
(13) رولینڈ ڈی سوزا	(14) خطیب احمد
(15) شبیر علی بھائی	(16) اختر مرزا
(17) شاہد حسین نسیم	(18) مسعود علی
(19) نوید احمد	(20) ناصر محمود
(21) ہمایوں احمد	(22) محمد نسیم فاروقی
(23) نسیم احمد	(24) عارف الدین احمد (25) طارق

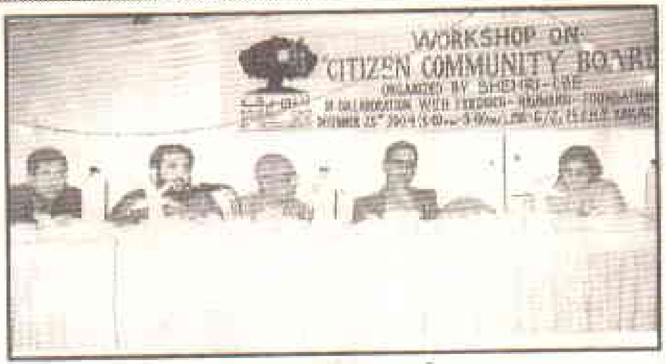

تقریب رونمائی ذمہ دار شہری

شہریوں کے ساتھ تبادلہ خیال

رکھنے کے لیے ان کے حوالے سے لوگوں میں آگاہی پیدا کرنا۔

(iii) ان مقامی بستیوں کے شہری گروپ کو ٹیکنیکل امداد اور رہنمائی مہیا کرنا جن کو ماحول اور علاقے کے تعلق سے مسائل درپیش ہوں۔

(iv) معاشرے کے مقاصد کے تعلق سے فنی اور شماریاتی، دیگر اعداد و شمار اور حقائق کی دستاویز مرتب اور شائع کرنا، ان میں وہ اقدامات بھی شامل ہیں جو ماحولیاتی خرابیوں پر قابو پانے کے لیے موثر ہوسکتے ہیں، ایسی خرابیاں جو آبادی میں بے چینی اور تشویش پھیلاتی ہوں۔

(v) سوسائٹی کے مقاصد کے تعلق سے ریسرچ کی حوصلہ افزائی کرنا، تحقیق، منصوبہ بندی، ترقی کے عمل اور بحث مباحثے کو آگے بڑھانا، سمپوزیم اور سیمینار کو فروغ دینا اور ان مقاصد کے تعلق سے ریفرنس اور ریسرچ سینٹر منظم کرنا اور ان کو چلانا، صارفین کی شکایات کے ازالے کے بیورو اور اس سے متعلق تنظیم بنانا۔

(vi) جہاں رفاہی مقاصد کے لیے منظور شدہ زمینوں پر ناجائز قبضہ ہو رہا ہو اور تعمیرات سے متعلق قوانین کی خلاف ورزی کی جارہی ہو اور ماسٹر پلان سے انحراف کیا جارہا ہو وہاں شہریوں کو قانونی امداد کے حصول میں ان کی مدد کرنا۔

(vii) شہری منصوبہ بندی اور ماسٹر پلان کے معیارات کا مطالعہ کرنا، انہیں بہتر بنانے کے لیے تجاویز پیش کرنا اور اگر ان کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو اس سلسلے میں چھان بین کرتے رہنا۔

(viii) پرانی عمارات اور پرانے علاقوں کی حفاظت کرنا، ان کو بچانا اور اس بارے میں کوشش کرتے رہنا۔

❀❀❀

تمام سٹیزن کمیونٹی بورڈ اپنی مدد آپ کے رضا کارانہ جذبے کے ساتھ درج ذیل امور انجام دیں گے۔

ا: خدمات کی فراہمی میں بہتری۔

ب: عوام کی سہولت کی خاطر ایک نئی ترقیاتی تنظیم کو بروئے کار لانا۔

ج: معذور اور مفلس و قلاش افراد، بیواؤں اور شدید افلاس میں مبتلا خاندانوں کی فلاح کے لیے کام کرنا۔

د: فارمنگ، مارکیٹنگ اور صارفین کے لیے اپنی مدد آپ کے ادارے، کوآپریٹو قائم کرنا۔

ی: بلدیات کی ضرورتوں اور ان کے ترقی کے امکانات کی نشاندہی کرنا اور ان کی ترقی کے لیے وسائل کو بروئے کار لانا۔

ف: رضا کارانہ انجمنوں کا قیام، جیسے والدین اور اساتذہ کی تنظیمیں اور اسکول کو چلانے کی انتظامی انجمن یا کسانوں یا پانی استعمال کرنے والوں کی تنظیمیں۔

ق: متعلقہ کونسل کی ایما پر اس کی کارکردگی پر نظر رکھنا۔

سی سی بی کا ضابطہ کار

- رضا کار تنظیم جس میں منفعت شامل نہیں۔
- مجلس عامہ (جنرل باڈی) جس کے ارکان کی کم سے کم تعداد 25 ہوگی۔
- عہدیدار دو سال کے لیے منتخب کیے جائیں گے۔
- مجلس انتظامیہ کے سہ ماہی اجلاس میں ارکان کا کورم 40 فیصد اور مجلس عامہ میں 25 فیصد ہوگا۔
- تمام اجلاسوں کی صدارت چیئرمین کرے گا۔
- سیکریٹری اجلاس کی کارروائی قلم بند کرے گا اور سالانہ حسابات پیش کرے گا۔
- ارکان/عہدیداروں کو برطرف کرنے کا اختیار مجلس عامہ کو ہوگا۔
- چیئرمین اور سیکریٹری املاک اور اثاثوں کے امین ہوں گے۔

جن مسائل کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے۔ ان کے حل کے لیے شہریوں کی بامعنی شرکت لازمی ہے

ضلعی نظام حکومت کے تین سال....ایک تخمینہ

شہری سرگرمیاں

شہری رپورٹ

شہری سی بی ای نے شہری نظام حکومت کے پہلے تین سال کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لیے ایک سیمینار منعقد کیا، جن مسائل پر بحث کی گئی ان میں پالیسی اور منصوبہ بندی انتظامیہ، مالی معاونت، پروجیکٹس پر عمل درآمد اور شہریوں کی شراکت کے امور شامل تھے، مشکلات اور رکاوٹوں کی نشاندہی کی گئی اور کامیابیوں کو سراہا گیا۔

شہری سی بی ای کے چیئرمین مسٹر رولینڈ ڈی سوزا نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ مسٹر ڈی سوزا نے لوکل گورنمنٹ کے نظام کی کامیابی میں شہریوں کے کردار کی اہمیت اجاگر کی۔

انہوں نے کہا شہریوں کو یہ امید نہیں کرنی چاہیے کہ سرکاری اہلکار سب کچھ اپنے طور پر خود ہی کرلیا کریں گے۔ یہ ذمہ داری شہریوں کی ہے کہ جن مسائل کا تعلق ان کی روزمرہ زندگی سے ہے، ان کے حل میں پر جوش انداز میں اور بامعنی طور پر شریک ہوں۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کیا کہ حکومت نے حال ہی میں چند نامناسب فیصلے کیے ہیں، جس طرح غیر قانونی طور پر بننے والی عمارتوں کو جائز قرار دے دیا ہے، سڑکوں سے متصل زمینوں کو کمرشلائز کر دیا گیا ہے اور زون کے دوسرے ضابطوں سے انحراف کیا گیا ہے۔ انہوں نے شہریوں پر زور دیا کہ شہر کے مفادات کا تحفظ کریں۔

کرن بانو، محمد نعمان، قدیر بیگ اور فرحان انور

شہری کے رکن اور سیمینار کے ماڈریٹر فرحان انور نے پہلے مقرر ریحانہ افروز صاحبہ کو خطاب کی دعوت دی۔ وہ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی میں ایجوکیشن کمیٹی کی چیئرپرسن ہیں، ریحانہ افروز صاحبہ نے موجودہ حکومت کی کامیابیوں کو صراحت کے

صدیق راٹھور — ریحانہ افروز — رولینڈ ڈی سوزا

قدیر بیگ

ساتھ بیان کیا، جن میں شہریوں کے لیے بہتر صحت اور ماحول کی سہولتیں، تعلیم کا بندوبست، صاف پانی کی فراہمی، تفریحات کی سہولتوں کی فراہمی اور کمیونٹی کے فروغ کے اسباب شامل تھے۔

اس کے بعد یونین کونسل لیاقت آباد کے ناظم صدیق راٹھور نے موجودہ حکومت کی کارکردگی کا ایک ناقدانہ تجزیہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی کی کونسل کمیٹیوں کو پالیسی سازی اور فیصلے کرنے کے مراحل میں اعتماد میں نہیں لیا جاتا، بلکہ تمام اہم فیصلے مشیر اور کنسلٹنٹ حضرات کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سٹی کونسل شہر کے منتخب ارکان پر مشتمل ہے اور ان کی نمائندگی کرتی ہے، لہٰذا اس کی حیثیت شہر کے سب سے بالاتر ادارے کی ہونی چاہیے، لیکن عملاً اس کی حیثیت ایک ربر اسٹیمپ کی ہوگئی ہے۔ انہوں نے اس امر پر بھی افسوس کیا کہ کوئی معنی خیز تبدیلی پیدا کرنے کے لیے یونین کونسلوں کو ناکافی اختیارات دیئے گئے ہیں۔ کراچی میونسپل کارپوریشن کے سابق ٹیکنیکل ایڈوائزر محمد نعمان نے نوزائیدہ ضلعی حکومتی نظام کا مفصل پس منظر بیان کیا، انہوں نے کہا کہ اس نظام میں بعض نقائص کی بناء پر ضلعی حکومت کو مکمل اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ مالی کنٹرول اس وقت بھی وفاقی حکومت کے پاس ہے۔ محتسب کا شعبہ ابھی تک نہیں کھولا گیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ شہری حکومت کے کاموں میں کچھ رکاوٹیں اس لیے پیدا ہو رہی ہیں کہ یہاں ''کے بی سی اے'' جیسے شعبے ابھی تک قائم نہیں ہوئے ہیں۔

قدیر بیگ این جی او ریسورس سینٹر کے ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ انہوں نے سٹیزن کمیونٹی بورڈ کی کارکردگی کے بارے میں گفتگو کی اور بتایا کہ ملک کے اندر مقامی حکومتی نظام میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لیے ان بورڈوں میں کتنی زبردست توانائی موجود ہے۔ این ای ڈی یونیورسٹی برائے انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں ماحولیاتی انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کی کرن بانو صاحبہ نے سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی میں ماحولیات کے شعبے کے قیام پر گفتگو کی۔ انہوں نے لاس اینجلس، شکاگو اور جوہانسبرگ میں وہاں کے ماحولیات کے محکموں میں کارکردگی کے فریم ورک اور پالیسی پر گفتگو کی اور شہری حکومت کے ماحولیاتی شعبے میں اس کی بہتر کارکردگی کے تعلق سے کچھ سفارشات اور مشورے بھی دیئے۔ اس بارے میں شہری حکومت نے جو بیان جاری کیا ہے اس میں چند کوتاہیوں کی نشاندہی کی۔ شہری حکومت کے ڈی سی او میر حسین علی نے آخر میں خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس نظام میں بعض کوتاہیوں کے باوجود حکومت نے اچھا خاصا کام کیا ہے اور شہری حکومت کے اندر منتخب اور مقرر کیے جانے والے عہدیداروں کے درمیان رابطے کی سطح اطمینان بخش ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجسٹریسی کا ایک موثر متبادل نظام نہ ہونے کے باعث مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کام میں تاخیر بھی

میر حسین علی

ہوتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سٹی ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کراچی اور دوسرے شہری اداروں مثلاً کنٹونمنٹ بورڈ کے قوانین میں یکسانیت ہونی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ ایس کے اے اے، کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ اور کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو سٹی گورنمنٹ کے اندر پوری طرح شامل کیا جانا چاہیے۔ اس کے بعد مسٹر فرحان انور نے ایوان کو عام مباحثے کے لیے کھول دیا جس میں حاضرین نے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ فرحان انور نے آخر میں گفتگو کو تکمیل تک پہنچاتے ہوئے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ ❀❀❀

سیمینار میں شریک مقررین اظہار خیال کر رہے ہیں

گٹر باغیچہ بچاؤ مہم

ترقی کی آڑ میں پرانی آبادیوں کو اُجاڑنے سے گریز کریں

گٹر باغیچہ کل جماعتی کانفرنس میں مطالبہ کیا گیا کہ کراچی کی گزشتہ عظمت کو بحال کرنے کے لیے اس کا نام دوبارہ کولاچی رکھ دیا جائے۔ کانفرنس میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ یہاں کے باشندوں کے ان کے آبائی زمینوں پر حقوق تسلیم کیے جائیں اور ان کا تحفظ کیا جائے۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے آنے والے حکمرانوں پر کڑی نکتہ چینی کی جو پوری طاقت کے ساتھ شہر کی بلوچ بستیوں کو تاراج کر رہے ہیں۔ کانفرنس میں تقریر کرنے والوں نے حکومت کو متنبہ کیا کہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں اور ترقی کی آڑ میں پرانی آبادیوں کو اُجاڑنے سے پرہیز کریں۔ انہوں نے حکومت پر بھی اس امر کے لیے زور ڈالا کہ قدیمی باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اور امتیازی پالیسی کو ختم کرنے کے لیے موثر اقدام کریں اور ضروری قوانین منظور کریں۔ مقررین نے اس کے ساتھ ہی گٹر باغیچہ پراجیکٹ کے مستقبل پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اس حقیقت کے باوجود کہ صدر مشرف نے گزشتہ اپریل کی 28 تاریخ کو یہ اعلان کیا تھا کہ اس مقام پر نیشنل پارک بنایا جائے گا، ابھی تک اس پارک کی تعمیر کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اس پراجیکٹ کی بیشتر اراضی جو کبھی اس علاقے میں بہت ہری بھری تھی، اس پر سرکاری ایجنسیوں کے ساتھ ملی بھگت کر کے لینڈ مافیا نے قبضہ جمالیا ہے۔

مقررین نے بتایا کہ گٹر باغیچہ کا علاقہ پہلے ایک ہزار سترہ (1,017) ایکڑ پر مشتمل تھا، لیکن اب صرف 480 ایکڑ زمین باقی رہ گئی ہے۔ مقررین نے حکومت سندھ اور مقامی حکومت پر زور دے کر کہا کہ انہیں نیشنل پارک کے منصوبے کو صدر کی 28 اپریل کی تقریر کے مطابق انجام دینا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ان علاقوں کے باشندوں کو ترقی کے عمل سے حاصل ہونے والے فائدوں سے ہمیشہ محروم رکھا گیا ہے اور یہ لوگ جدید سہولتیں میسر نہ آنے سے تکلیف کے دن گزار رہے ہیں۔ یہ کانفرنس بلوچ رائٹس کونسل کراچی نے شہری کے تعاون سے بلائی تھی۔ بلوچ رائٹس کونسل ایک این جی او ہے جو حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔ ممتاز بلوچ دانشور اور بلوچ رائٹس کونسل کے چیئرمین یوسف سکندر، پیپلز پارٹی کے رکن صوبائی اسمبلی رفیق انجینئر، بلوچ نیشنل پارٹی کے لیڈر غلام محمد بلوچ، جمہوری وطن پارٹی کے رؤف ساسولی، پیپلز پارٹی ایس بی کے سلیم صالح بزدار، جے ایس ایم کے ہاشم کھوسو، مزدور کسان پارٹی کے ایس ایم الطاف اور چند دوسرے لوگوں نے اجلاس سے خطاب کیا۔

سیمینار کے شرکاء

تقریر کرنے والوں نے یہ عہد کیا کہ وہ گٹر باغیچہ منصوبے پر فوری عمل درآمد کے لیے اپنی جدوجہد برابر جاری رکھیں گے اور پراجیکٹ کے علاقے سے تجاوزات کو ہٹا کر ہی دم لیں گے۔

ایک قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ معزول شدہ کے ایم سی کے افسروں کے لیے جو کوآپریٹو ہاؤسنگ اسکیم بنائی گئی ہے اسے ختم کیا جائے اور پراجیکٹ کی جگہ پر آئندہ بھی حکومت کوئی ہاؤسنگ اسکیم نافذ نہ کرے۔ تاہم اجلاس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ پراجیکٹ کے مقام پر زائد از ضرورت زمین لیاری ایکسپریس وے پراجیکٹ میں بے گھر ہونے والوں کے لیے مخصوص کی جائے۔ ❀❀❀

سیمینار میں شریک مقررین خطاب فرما رہے ہیں

کراچی کو صحیح معنوں میں گلوبل سٹی بنایا جائے

کراچی ملک کی کل آمدنی کا 40 فیصد حصہ پیدا کرتا ہے، یہاں خواندگی کی شرح 65 فیصد ہے

سیاست دانوں اور دانش وروں نے ایک سیمینار میں حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ کراچی کا ماسٹر پلان مزید کسی تاخیر کے بغیر تیار کرے۔ انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ شہر کا ایک مثبت رخ پیش کیا جائے، اس کے علاوہ اس ضرورت پر بھی اصرار کیا کہ ثقافتی شعبے میں کام کرتے ہوئے کراچی کو صحیح معنوں میں ایک گلوبل سٹی بنایا جائے۔

سابق وفاقی وزیر جاوید جبار نے شہر کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ انہوں نے کہا کہ پست معیار زندگی، ایک اچھے ٹرانسپورٹ سسٹم کی عدم موجودگی، تفریحات کے انتخاب میں بیخ کنی اس شہر کے پسماندہ ہونے کی واضح علامات ہیں۔ تاہم انہوں نے کہا کہ اس شہر کے کئی ایسے پہلو ہیں جن کی بناء پر اسے گلوبل کہا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک پہلو یہاں آبادی کا تنوع ہے، عالمی ذرائع ابلاغ سے اس کا رابطہ ہے، چنانچہ اس حیثیت میں کچھ لوگ یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ عالمی سطح پر مقابلہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ شہر مسلسل تبدیلی کے بحران میں مبتلا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ترقی یافتہ دنیا کے گلوبل شہر بھی اسی صورتحال سے دوچار ہیں، کیونکہ جب پرانے شہر اپنی قدامت کی وجہ سے گلنے اور زمیں بوس ہونے لگے تو غریب لوگوں نے شہروں کا رخ کیا۔ چارلس ڈکنز کے ناولوں کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اس زمانے میں نادار بچوں کا استحصال لندن میں بھی ہوتا تھا۔ جاوید جبار نے یہ مشورہ دیا کہ شہر کے ناظم کا انتخاب بھی لندن اور نیویارک کے طرز پر ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا کراچی میں دائرہ اختیارات کو کم کردینا چاہیے، تاکہ مختلف اداروں جیسے کنٹونمنٹ، ڈی ایچ اے، کے پی ٹی وغیرہ کے درمیان تصادم کی نوبت نہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ شہر کا ایک دلنشیں رخ بنانے کے لیے قانون کا نفاذ لازمی ہے۔ انہوں نے دعوٰی کیا کہ موٹر وے پولیس قانون کے نفاذ میں غیر جانبداری کے ساتھ کام کررہی ہے، وہ ایک اچھا نمونہ ہے جس کی پیروی کی جانی چاہیے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ دیہی اور شہری علاقوں کو آپس میں ضم کردیا جائے اور یہاں شہری سہولتوں کی مد میں سرمایہ کاری کی جائے۔

این ای ڈی یونیورسٹی میں تعمیرات اور پلاننگ کے چیئر مین نعمان احمد نے کہا کہ کراچی کے ترقیاتی عمل میں گلوبلائزیشن کی وجہ سے بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ نوزائیدہ مارکیٹ اکانومی کا زبردست ابھار، تنگ دست لوگوں کی اعانت میں ریاست کی کوتاہی اور مواصلات کا انقلاب وہ چند تبدیلیاں ہیں جو گلوبلائزیشن کے عمل میں واضح طور پر نظر آتی ہیں۔

نعمان احمد نے کہا کہ گلوبلائزیشن میں تنگ دستی کے لیے سماجی بے انصافی کے اندیشے بھی ہیں۔ تہذیبی اور ماحولیاتی سرمائے سے محرومی اور فیصلے کے عمل میں غیر مقامی لوگوں کا مکمل تصرف یہ بھی چند خطرات ہیں۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کیا کہ کراچی کو دہشت گردوں کی ایک بدنام پناہ گاہ بنا کر دکھایا جاتا ہے، جس کی بناء پر غیر ملکی شہر کو اپنے لیے انتہائی خطرناک سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردی کے اس رخ کو دور کرنے کے لیے متعدد ثقافتی تقریبات بڑے پیمانے پر کی جانی چاہئیں۔ انہوں نے ایسے ادارہ سازی کے عمل پر زور دیا جس کی بدولت شہر کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی لینے والے ادارے اور تنظیمیں یعنی تاجر، صنعت کار، مخیر لوگ اور سرگرمی سے کام کرنے والے گروپ اپنی کامیابی کو مربوط کرسکیں۔

فرحان انور، نعمان احمد، قاسم پاریکھ، ہما بقائی

کراچی یونیورسٹی میں بین الاقوامی تعلقات کے شعبے کی لیکچرار ہما بقائی نے کہا کہ معیشت کے شعبے میں کراچی کی حیثیت مسلمہ اور غیر متنازعہ ہے۔ یہ شہر ملک کی کل آمدنی کا 40 فیصد حصہ پیدا کرتا ہے، یہاں خواندگی کی شرح 65 فیصد ہے اور کارکن عورتوں کی سب سے بڑی تعداد اسی شہر سے وابستہ ہے۔

جمشید ٹاؤن کراچی کے ناظم احمد قاسم پاریکھ نے کہا مجھے یقین ہے کہ اس شہر کے باشندوں کی صلاحیت اور مقابلے کی اہلیت دنیا کے کسی بھی شہر کے باشندوں کے برابر ہے۔

شہری کے رکن فرحان انور نے کہا کہ کراچی میں گلوبل سٹی بننے کی زبردست توانائی پائی جاتی ہے، لیکن سیاسی عدم استحکام، خراب طرز حکمرانی، افلاس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں پسماندگی، وہ خرابیاں ہیں جنہوں نے اس شہر کا راستہ روک رکھا ہے۔ ۞۞۞

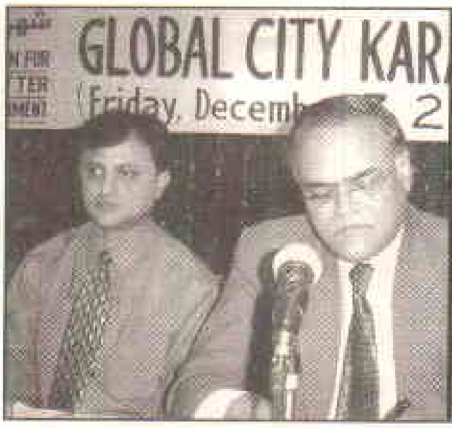

جاوید جبار، فرحان انور

شرکاء

هم اس شعبے میں شہری کے زیر عمل چند کاموں کو نمایاں کرتے هیں اور عوامی مفادات کا تحفظ کرتے هوئے شهریوں سے بهرپور شراکت کا تقاضه کرتے هیں۔

شہری ایڈووکیسی

شہری رپورٹ

سٹی اسکول کا ہنگامہ

پُرامن رہائشی علاقہ انتشار کا شکار ہوگیا

پی ای سی ایچ ایس میں حالی روڈ کے مکین اس وقت حد درجہ پریشان ہوگئے جب انہیں یہ خبر ملی کہ سٹی اسکول کے سلسلے کی ایک شاخ ان کے علاقے میں کھلنے والی ہے۔ شہری برہم بھی تھے اور آمادہ عمل بھی۔ ایک غصہ ور خاتون خانہ کہنے لگیں کیا سٹی اسکول اپنے بچوں کو یہی سکھاتا ہے؟

متعلقہ پلاٹ (144/P/2-PECHS) ایک سے دوسرے ہاتھ میں غیر قانونی منتقلی کا ایک پس منظر رکھتا ہے۔ پی ای سی ایچ ایس میں حالی روڈ پر اس پلاٹ کے مالک میاں سجاد امیر احمد نے کراچی میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کے باعث شہر چھوڑ دیا۔ انہوں نے یہ رہائشی مکان 1998ء میں دس سال کے لیے آرگینان انٹرنیشنل کو اپنا کمرشل آفس کھولنے کے لیے دے دیا۔ اس علاقے کے باشندوں اور ہمسایوں نے آرگینان انٹرنیشنل واقع ہالینڈ کے خلاف احتجاجی مہم شروع کردی، چنانچہ کچھ عرصے بعد کمپنی نے کرایہ داری منسوخ کرکے اپنی راہ لی۔ اب علاقے کے شہریوں کے علم میں یہ بات آئی کہ میاں سجاد امیر احمد نے کرایہ داری کا معاہدہ ایک کمرشل ادارے یعنی سٹی اسکول سے کرلیا ہے، جس کی شہر میں بے شمار شاخیں ہیں اور اس کا علاقائی دفتر کراچی کے ایک رہائشی پلاٹ پر واقع ہے، جب ایک مقامی خاتون خانہ نے اسکول کے انتظامی افسر صابر قریشی سے اس معاملے میں اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ معاملہ تو یونہی چلے گا کیونکہ انہوں نے مالک مکان سے معاہدہ کرلیا ہے، اب آپ جو چاہیں کرلیں۔

اب اسکول کی مزید دو شاخیں آس پاس کھل گئی ہیں اور ہمسائے میں رہنے والے شہریوں کے لیے مصیبت بن گئی ہیں۔ شکایتیں پیدا ہوتی ہیں بے قابو لڑکوں کے رویئے سے، ٹریفک اور پارکنگ کی تنگی سے، ہارن بجنے کی آوازوں سے، سڑک پر سودا بیچنے والے خوانچہ فروشوں سے اور ہوا میں کثافت سے، چنانچہ پہلے جو ایک پرامن رہائشی علاقہ تھا اب وہ انتشار اور غل غپاڑے کا شکار ہے اسکول کے پرنسپلوں اور حکومت کے عہدیداروں سے مسلسل شکایت کرنے کے باوجود کوئی بھی اس لاقانونیت اور قانون کی اعلانیہ خلاف ورزی پر دھیان نہیں دیتا۔ اراضی جس غرض سے لی گئی ہو، اس کا مختلف استعمال قانون کے تحت منع ہے، لیکن کراچی میں قانون کی پرواہ کون کرتا ہے۔ کراچی بلڈنگ اینڈ ٹاؤن پلاننگ ریگولیشن 2002 کے تحت اسکولوں کے لیے ایک راہ کھول دی گئی ہے۔ یہ تھا ریگولیشن 8-2-4-18۔ ''رہائشی علاقے کی حدود میں ایک رہائشی پلاٹ کو MP&ECD کے تحت تعلیم کے لیے استعمال کرنے کی اجازت قریب ترین ہمسائے کا اعتراض موصول ہونے کے بعد اور ٹرانسپورٹ کے محکمے سے مشورے کے بعد دی جاسکتی ہے۔'' لیکن موجودہ معاملے میں کسی کو بھی اعتراض پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔

شہریوں نے ایک مقدمہ نمبر 1249/2004 کے تحت سندھ ہائی کورٹ میں داخل کرکے حکم امتناعی لے لیا، یعنی اس سے پہلے کہ یکم نومبر 2004ء کو کالج کھلتا اس کے ساتھ ہی ایک بھرپور عوامی مہم شروع کردی گئی نتیجہ یہ کہ سٹی اسکول کی انتظامیہ کو وہ جگہ خالی کرنی پڑی اور وہاں سے واپس جانا پڑا۔ شہریوں کی کامیاب سرگرمی زندہ باد۔

❀❀❀

عالمی شہر کی تشکیل

مواقع کے ساتھ خطرات بھی درپیش ہیں

کراچی کا شمار اکیسویں صدی کے سرکردہ ممالک میں ہوتا ہے۔ اس شہر کو اپنی ترقی کے زبردست مواقع اور کامیابی کی راہ میں شدید مشکلات درپیش ہیں۔ اس بارے میں نعمان احمد اور فرحان انور لکھتے ہیں۔

نعمان احمد

کراچی کے ترقیاتی اسلوب میں گلوبلائزیشن کی بدولت بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، ان چند تبدیلیوں میں منڈی کی ابھرتی ہوئی معیشت کے اصول کی کارفرمائی، شہری معاشرے میں نادار طبقوں کے لیے حکومت کی امداد کا تقریباً خاتمہ، مواصلات اور اطلاعات کا انقلاب جس نے گلوبلائزیشن کے عمل کو مزید تقویت دی ہے۔

گلوبلائزیشن

ایک گلوبل سٹی کی تشکیل کے مراحل میں بہت سے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور خطرات بھی درپیش ہوتے ہیں۔ اس میں کلیدی نوعیت کے مواقع یہ ہیں۔ شہریوں کی سماجی اور اقتصادی حیثیت میں بہتری کا امکان، پیداوار میں اضافے کے فائدے اور ترقی کا تسلسل۔

خطرات میں جو بات شامل ہے، وہ ہے معاشرے کے نادار طبقات کے ساتھ سماجی ناانصافی، اقتصادی فائدوں کے مقابلے میں تہذیبی اور ماحولیاتی املاک کا زیاں اور فیصلے کے عمل میں غیر مقامی (یعنی بیرونی) سرمایہ کاروں کی مکمل بالادستی، تمام حقائق اور مواقع کو اور درپیش خطرات کو معروضی انداز سے سمجھنے اور سوچنے کے بعد ہی ایک معقول منصوبہ سازی ممکن ہے تاکہ کراچی کو ایک ترقی پذیر گلوبل سٹی بنایا جائے اس مختصر تحریر میں ان ترقیاتی مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے جو کراچی کو قابل عمل طور پر ایک گلوبل سٹی بنانے میں سامنے آتے ہیں اور جن پر غور کرنا بے حد ضروری ہے۔

کراچی کی شباہت

- کراچی کو دہشت گردوں کی ایک بدنام پناہ گاہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔
- غیر ملکی اسے بالعموم نہایت خطرناک شہر سمجھتے ہیں۔
- قانون کی عملداری کا حال انتہائی مایوس کن ہے۔
- اس معاملے میں حالات کی بہتری سے متعلقہ حکام کو کوئی دلچسپی نہیں۔

سماجی ڈھانچہ

- شہری نوجوانوں کی نسل جو پوری طرح آگاہی رکھتی ہے (تارکین وطن اور ان کے کلچر سے مختلف)
- نوجوانوں کی آبادی کی بنا پر تیزی سے بڑھتا ہوا اکائی گھرانہ (یعنی ماں باپ اور بچے)
- تفریح اور تہذیبی اظہار کے مناسب وسائل نہ ہونے کی بناء پر لوگوں میں بڑھتی ہوئی مایوسی۔

اقتصادی قرینہ

- بیشتر روزگار غیر رسمی شعبہ فراہم کرتا ہے۔
- زمین، جائیداد اور ملکیت میں سرمایہ کاری، محفوظ اور مستحکم طریقے ہیں۔
- نقد لین دین کا طریقہ جس میں لکھا پڑھی نہیں ہوتی، بڑھتا جا رہا ہے۔
- معاشرے میں رسمی معیشت کا کردار بہت معمولی ہے۔

طبعی حالات

- شہر کے اندرونی علاقوں میں آبادی گنجان ہوتی جا رہی ہے۔
- آبادی میں اضافے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ زمین کی تقسیم در تقسیم غیر قانونی طریقے سے بڑھ رہی ہے۔
- شاہراہوں کی پٹیوں پر کاروبار پھیلانے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔
- بہت سے اہم منصوبوں پر کام روک دیا گیا ہے۔

بنیادی ڈھانچہ، وسائل اور عوامل اور خدمات

- پانی کی ناموزوں فراہمی، اس کا حصول اور تقسیم دونوں ناقص۔
- قدرتی طور پر پیدا ہونے والی زمینی شگاف اور سیلابی نالے، گندے پانی کی نکاس کے ذرائع ہیں، سیوریج کا داخلی انتظام بیشتر لوگوں نے نجی طور پر کیا ہے۔
- ری سائیکلنگ کی صنعت شہر میں پیدا ہونے والی کثافت کے بیشتر حصے کی غیر رسمی طور پر صفائی کرتی ہے۔
- پبلک ٹرانسپورٹ کا بہت حد تک بوجھ نجی شعبے نے سنبھال رکھا ہے۔

انتظامی طریقے

- بلدیات اپنی انتظامی توانائی کھوتی جا رہی ہیں۔ صوبے کی بالادستی بدستور ہے۔
- نچلی سطح کے اداروں کی انتظامی اہلیت

Distinguishing Characteristics of a Global City

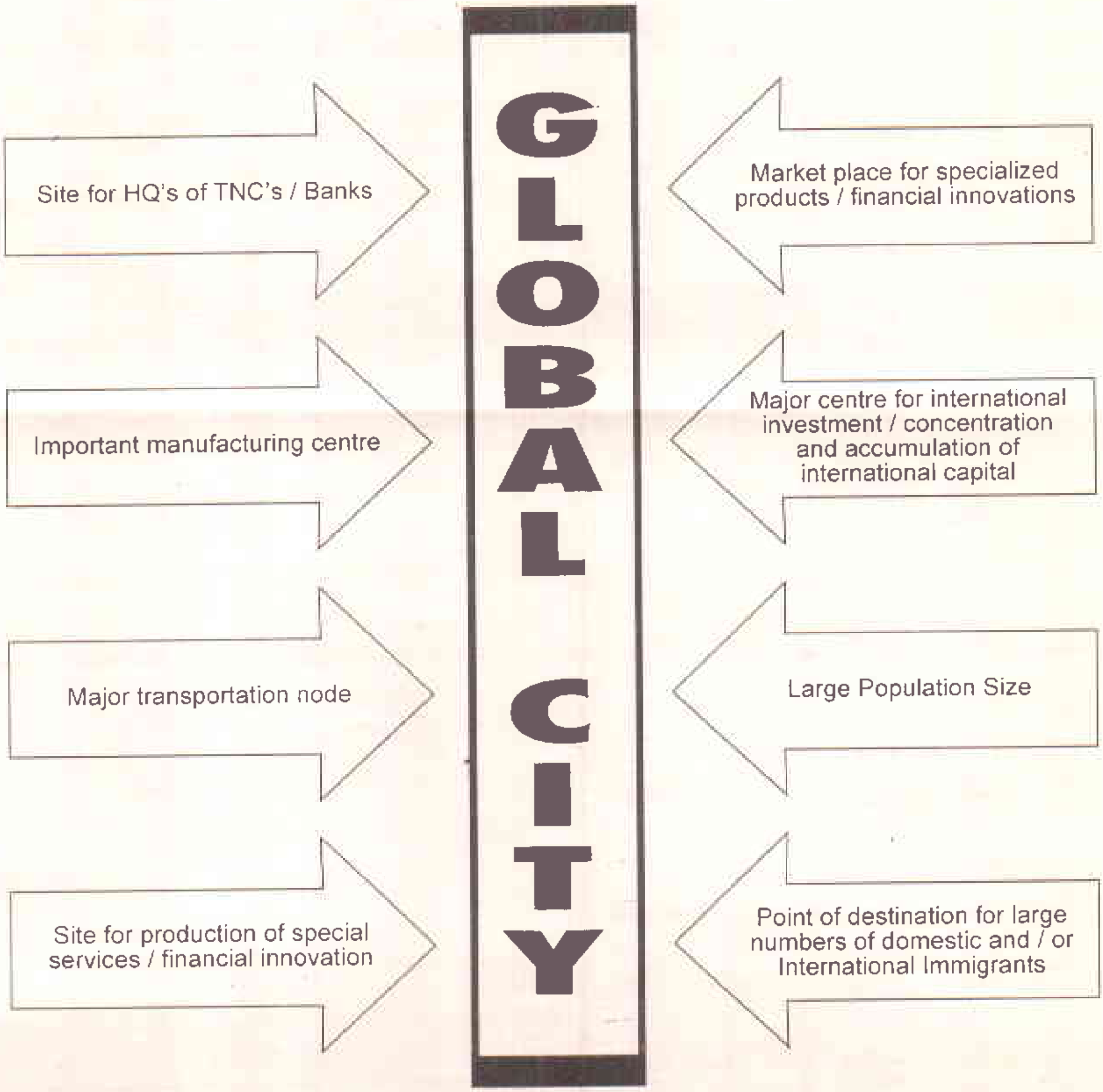

معاشرے کے نادار طبقات کے ساتھ سماجی ناانصافی، اقتصادی فائدوں کے مقابلے میں تہذیبی اور ماحولیاتی املاک کا زیاں اور فیصلے کے عمل میں غیرمقامی سرمایہ کاروں کی مکمل بالادستی، تمام حقائق اور مواقع کو اور درپیش خطرات کو معروضی انداز سے سمجھنے اور سوچنے کے بعد ہی ایک معقول منصوبہ سازی ممکن ہے تاکہ کراچی کو ایک ترقی پذیر گلوبل سٹی بنایا جائے

محدود ہے۔

- نمائندوں کے ذریعے فیصلے کا عمل مفقود ہے۔
- سول انتظامیہ اونچے درجے کے بلند آہنگ ترقیاتی منصوبوں پر انحصار کرتی ہے۔

کراچی: شہری ترقیات کے چند نمایاں رجحانات

افزائش کا قرینہ

- شاہراہوں اور سڑکوں کو ملانے والے راستوں پر آبادی کا بے ترتیب پھیلاؤ۔
- شہر میں توسیع کے بڑے علاقے مغرب اور مشرق میں پائے جاتے ہیں۔

غیرقانونی آبادیاں

- ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔
- شہر کے اندر غیرقانونی بستیاں گنجان ہوتی جارہی ہیں۔
- قبضے کو مستحکم کرنے اور اسے بہتر بنانے کی کوشش ہوتی ہے۔
- غیرقانونی بستیاں جو انتہائی پسماندہ ہوچکی ہیں، لوگ ان سے نکل کر باضابطہ علاقوں میں جارہے ہیں۔

وسائل اور عوامل

- اداروں کی صلاحیت کارگھٹتی جارہی ہے (واٹر بورڈ، کے ای ایس سی اور ایس ڈی جی کے اس کی واضح مثالیں ہیں)۔
- لوگ متبادل طریقے اختیار کررہے ہیں۔
- ٹرانسپورٹ کا نظام یکسر ختم ہوچکا ہے۔

شہر کا نظم ونسق

- زمینی حقائق کو تسلیم کرنے سے انکار۔
- مفادات کے حامل گروہوں کا دباؤ۔
- مرکز اور صوبے کی حکومتوں کی حکمرانی۔
- مذکورہ رجحانات کی ایک مثال منافع کی لالچ میں بڑی بڑی سڑکوں کا کاروباری استعمال ہے۔

نعمان احمد
چیئر مین، ڈپارٹمنٹ آف آرکیٹکچر اینڈ پلاننگ
این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی

شہری کے لئے رضاکاروں کی ضرورت ہے

شہری کے مختلف منصوبے ذیل میں درج چھ ذیلی کمیٹیوں کی وساطت سے چلائے جاتے ہیں۔

- آلودگی کے خلاف
- میڈیا اور بیرونی روابط (نیوز لیٹر)
- قانونی (غیرقانونی عمارتیں)
- تحفظ ورثہ (پرانی عمارتیں)
- پارکس اور تفریح
- مالی حصول۔

ہر وہ شخص جو شہری کے جاری اور مستقبل کے منصوبوں کے لئے مدد (رقم/فیس) کرنا چاہے اس سے گزارش ہے کہ وہ شہری کے دفتر تشریف لائیں یا فون، فیکس یا ای میل کے ذریعے شہری کے سیکریٹریٹ سے رابطہ کریں۔

''شہری'' میں شمولیت اختیار کیجئے

ایک بہتر ماحول کی تخلیق کے لئے

اگر آپ ''شہری'' میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو براہ کرم یہ کوپن بھر کر اس پتے پر روانہ کردیں۔

شہری برائے بہتر ماحول۔206-جی۔ بلاک 2 پی ای سی ایچ ایس، کراچی 75400۔ پاکستان
ٹیلی فون/فیکس 92-21-4530646
E-mail address:
Shehri@onkhura.com (Web site)
URL:http//www.onkhura.com/shehri

نام ______________ ٹیلی فون (گھر) ______________

ایڈریس ______________________________

پیشہ ______________ ٹیلی فون (دفتر) ______________

شہری کی رکنیت

2005 ء کے لئے شہری کی رکنیت کی تجدید کروانا نہ بھولیں۔ شہری میں شرکت کریں اور بطور شہری اس شہر کو صاف کرنے، صحت بخش اور ماحول دوست مقام بنانے کے لئے مدد دیں۔

وقت اور فاصلے سمٹ رہے ہیں، سرحدیں مٹ رہی ہیں

جنوبی ایشیا کی راہ میں ناقص حکمرانی، ناداری، سیاسی عدم استحکام اور تکنیکی پسماندگی حائل ہے

گلوبلائزیشن کی اصطلاح جس طرح آج کل سمجھی جاتی ہے، ایک وسیع تناظر میں عالمی مالیات کے شعبے میں زیادہ رابطے، عالمی تجارت اور تہذیبی روابط کی نمائندگی کرتی ہے، ان کے کچھ عوامل ظاہر طور پر نظر آتے ہیں اور کچھ محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ گلوبلائزیشن کوئی نئی چیز نہیں ہے، البتہ موجودہ دور میں اس کے کچھ امتیازی خطوط نمایاں ہیں۔ فاصلے سمٹ رہے ہیں، وقت بھی سمٹ رہا ہے، سرحدیں مٹ رہی ہیں، ان کی بدولت لوگوں کی زندگیوں میں پہلے سے کہیں زیادہ گہرا، شدید اور قدری تعلق پیدا ہوگیا ہے۔ سرحدیں اقتصادی پالیسیوں کی بدولت ٹوٹ رہی ہیں کیونکہ متنوع قسم کے معاہدے کیے جارہے ہیں اور عالمی منڈی میں اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے دباؤ بڑھ رہا ہے، اس سے قومی پالیسی کو اختیار کرنے کے لیے بہت کم گنجائش باقی رہ جاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ بین الملکتی کارپوریشنیں عالمی سطح پر اپنی کارکردگی کو آپس میں جوڑ رہی ہیں۔

اقتصادی طاقت کے معاملے میں بین الملکتی کارپوریشنیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ بعض حکومتیں بھی ان کے آگے "بونے" نظر آتی ہیں۔ بہت سے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ منڈی میں مقابلے کی وجہ سے تیزی اور مستعدی تو آئے گی لیکن برابری کا حاصل کرنا لازمی نہیں۔ اقتصادی طور پر کلچر بھی بہت اہم ہوگیا ہے، نئی زمانہ کلچر اور مصنوعات کا بہاؤ بڑی شدت کے ساتھ ایک ہی سمت میں نظر آرہا ہے، یعنی دولت مند ملکوں کی طرف سے نادار ملکوں کی طرف۔ اس عمل میں لوگوں کو یہ تشویش ہورہی ہے کہ صارفین کا کلچر دنیا بھر میں پھیل جائے گا اور مماثل تہذیبی یکسانیت حاوی ہوجائے گی۔

ترقیات کے باب میں بعض نظریہ دانوں کی دلیل یہ ہے کہ ریاستی طاقت صریح طور پر گھٹتی جارہی ہے، لہٰذا اختیارات کے مرکز جہاں سے فیصلے صادر ہوتے ہیں بتدریج گلوبلائزیشن کی طرف منتقل ہورہے ہیں، اس لیے دنیا کے صرف گنے چنے شہروں کو اقتدار منتقل ہورہا ہے جو گلوبل سٹی بن گئے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گلوبل شہروں میں جہاں بینک ہیں کاروباری اداروں کے مرکزی دفاتر ہیں جہاں اعلیٰ سطح کی پیداواری طاقتیں ہیں، وہیں خدمات انجام دینے والی فرمیں جیسے قانون سے متعلق ادارے اور اشتہاری ایجنسیاں ہیں جو عالمی منڈیوں پر اپنی عملداری رکھتی ہیں، چنانچہ عالمی معیشت میں ان کی کلیدی حیثیت بن گئی ہے۔ معیشت جوں جوں گلوبل بنتی جائے گی، نسبتاً کم سے کم شہروں میں مرکزی اختیارات کا ڈھیر لگتا جائے گا۔

گلوبل شہروں کی حرکتی قوت کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ خود ان شہروں کے اندر بھی اقتصادی نابرابری پائی جاتی ہے۔ ماضی میں ملکوں کی شناخت جغرافیائی مرکزیت اور اس سے دوری کے حوالے سے ہوتی تھی، اب اس کا اظہار ترقی یافتہ ملکوں میں اور خاص طور پر ان کے بڑے شہروں کے درمیان نظر آجاتا ہے۔ بہرحال ترقی یافتہ اقتصادی شعبے معیشت کے مراکز کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں اور ان کا شمار کیا جانا بھی ضروری ہے، خواہ انہیں ضمنی حیثیت دی جائے۔

اب یہ بات واضح ہوتی جارہی ہے کہ شہرکاری کے عمل میں ترقی یافتہ ملکوں کی طرف سے جھکاؤ ترقی پذیر ملکوں کی طرف ہوگا۔ گلوبلائزیشن کا مرحلہ وار عمل جس طرح جنوبی ایشیا پر اثرانداز ہوا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنوبی ایشیا کے ملک گلوبلائزیشن میں اپنا کردار ادا کرنے کے خواہش مند ہیں۔

اس کے ساتھ ہی خاصے اعداد و شمار اور شواہد سے ظاہر ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ بدانتظامی جس خطے میں پائی جاتی ہے، وہ یہی جنوبی ایشیا ہے۔ دنیا میں گلوبل ملکوں کے ساتھ جنوبی ایشیا اگر کوئی کردار ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے حکومتی بدانتظامی، ناداری اور ٹیکنالوجی کی پسماندگی جیسی رکاوٹوں کو سب سے پہلے دور کرنا ہوگا۔

پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں اس علاقے کے اندر ایک سرگرم اقتصادی اور سیاسی کردار ادا کرنے کی توانائی موجود ہے۔ کراچی کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ بین الاقوامی گلوبل سٹی نہ سہی، لیکن اس علاقے کا بڑا شہر یقیناً بن سکتا ہے۔ بہرحال جیسا کہ پورے جنوبی ایشیا کا معاملہ ہے، اس کے راستے میں ناقص حکمرانی، ناداری، سیاسی عدم استحکام اور ٹیکنالوجی کی پسماندگی جیسی رکاوٹیں موجود ہیں۔

تجربے سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ قومیں گلوبلائزیشن کے عمل میں ہمیشہ بہ رضا و رغبت شامل نہیں ہوتیں۔ لہٰذا گلوبلائزیشن کے اس دیوہیکل منصوبے کے اندر مدغم ہونے کے لیے کہ یہ تو بہرحال ہونا ہی ہے، قوم کو اس کے لیے تیار کرنا ہوگا۔

فرحان انور

ایگزیکٹو ممبر شہری سی بی ای

دنیا میں گلوبل ملکوں کے ساتھ جنوبی ایشیا اگر کوئی کردار ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے حکومتی بدانتظامی، ناداری اور ٹیکنالوجی کی پسماندگی جیسی رکاوٹوں کو سب سے پہلے دور کرنا ہوگا

ماحول پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے بارے میں شہریوں کو اپنے تجربات میں شریک کرنا چاہیے ، اس بارے میں لکھتے رہیے ، عبارت کے ساتھ تصاویر ہوں تو اور بھی اچھا ہے ۔ (ایڈیٹر)

گرد و پیش پر نگاہ

شہری رپورٹ

منتقلی سب سے زیادہ غیر قانونی فعل ہے

جے سی ایچ ایس کے بلاک 2 میں رہائشی علاقے کے اندر تین نمبر کے پلاٹ پر کمرشل بلڈنگ کی غیر قانونی تعمیر

ہم جناح کوآپریٹو ہاؤسنگ کے زیر دستخطی شہری متعلقہ حکام کی توجہ ایک غیر قانونی تعمیر کی طرف دلانا چاہتے ہیں اور ان سے فوری کارروائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ہم زیر دستخطی اس بات سے سخت مایوس ہیں کہ ہمارے احتجاج اور شکایات کے باوجود پلاٹ نمبر 3 پر جے سی ایچ ایس بلاک 3 میں کمرشل دکانوں کا تعمیر کا کام جاری ہے۔

ہم اس سوسائٹی کے رہنے والے ایک بار پھر ضروری کارروائی کے لیے درخواست کرتے ہیں تاکہ اس پلاٹ کے مالک کو تعمیر سے روکا جائے بلکہ اس بارے میں ضروری اقدامات کیے جائیں کہ مذکورہ پلاٹ پر غیر قانونی تعمیر کو سیل کردیا جائے/اسے منہدم کردیا جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس معاملے پر فوری توجہ دی جائی گی۔ ہم حکام سے یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ قانون کی اس صریح خلاف ورزی پر کارروائی کرتے ہوئے ہمیں اپنی کارکردگی کی اطلاع دیں گے۔

محمد حنیف	رشید صدیق	محمد ہارون میمن
عبدالناصر	محمد امیر	محمد منیر
محمد احمر	مسز بلقیس اختر	عبدالرشید
اشرف درویش	محمد انف	محمد ملیف
(بتوسط اٹارنی مسز ایم انیس)	محمد مناف	محمد انس
	مسز بلقیس بانو	

شہر میں ذرائع آمد و رفت

کراچی سرکلر ریلوے کی تجدید

فرحان انور

ناجائز قابضین کو ہٹانے کے عمل کو ایک مناسب اور موزوں آبادکاری کے منصوبے سے جوڑنا ہوگا۔

حکومت 15 جنوری 2005ء سے کراچی سرکلر ریلوے کو نئے سرے سے چلانے کی تیاریاں کر رہی ہے۔ فرحان انور اس منصوبے کے سماجی اور ماحولیاتی نتائج کی اہمیت کو سمجھنے پر زور دے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تحفظ کے ساتھ ہی ممکنہ ردعمل کو اعتدال کی حد میں رکھنے کی تدبیر کی جائے۔

عوامی سہولت

حالیہ اخباری رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ کراچی سرکلر ریلوے کی تجدید نو کے لیے ایک سمری (مفصل تحریر) وفاقی کابینہ کی حتمی منظوری کے لیے پیش کر دی گئی ہے۔ یہ ایک خوش آئند خبر ہے، تاہم چونکہ اس منصوبے کے ٹیکنیکل اور مالی پہلوؤں کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے، لہٰذا یہ بات بہت اہم ہے کہ اس منصوبے کے سماجی اور ماحولیاتی نتائج کو ان کی تمام تر پیچیدگیوں کے ساتھ سمجھا جائے اور مناسب تحفظات کے ساتھ ہی نقصان کو حد اعتدال میں رکھنے کی تدبیر کی جائے۔ اس مضمون میں ان چند مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے جو غور و فکر کا تقاضہ کرتے ہیں۔

ٹرین کو نئی توانائی کے ساتھ دوبارہ آغاز کرنے کے لیے سرکلر ریلوے کی 30 کلومیٹر پٹری کو بہتر صورت میں دوبارہ بچھانا پڑے گا۔ کچھ نئے ریلوے اسٹیشنوں کی جگہ بدلنی ہوگی، کچھ کو بند کرنا ہوگا، جب کہ ایک نیا ریلوے اسٹیشن بھی تعمیر کرنا ہوگا۔ ریلوے اسٹیشنوں پر پیدا کردہ آسانیوں اور سہولتوں کو بہتر بنانا ہوگا۔ اس سے ملحقہ تعمیرات مثلاً پیدل چلنے کے لیے پل، پلیٹ فارم، باڑ اور سگنل بھی بہتر بنائے جائیں گے یا نئے سرے سے تعمیر ہوں گے، چونکہ سرکلر ریلوے ہر پندرہ منٹ کے وقفے سے پھیرا لگائے گی، لہٰذا موجودہ لیول کراسنگ بیکار ہو جائیں گے، لہٰذا چند موجودہ لیول کراسنگ پر اوور ہیڈ اور زیر زمین گزرگاہیں تعمیر کی جانے کی تجویز سامنے آئے گی۔ باقی ماندہ ریلوے لیول کراسنگ کو بند کر دیا جائے گا۔

سرکلر ریلوے کی پٹی پر جگہ جگہ چھوٹے یا بڑے پیمانے پر تجاوزات بھی ہوئی ہیں یہی کام بعض ریلوے اسٹیشنوں پر بھی ہوا ہے۔ سہولتوں میں ترمیم و اضافے کے لیے موجودہ کاموں میں خواہ رکاوٹ پیدا نہ ہو، تاہم نئے مسائل اور معاملات پیدا ہوں گے، جن پر ممکنہ نقصانات سے تحفظ اور ازالے کے لیے غور کرنا ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک مسئلہ پبلک کے تحفظ کا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ریل کی پٹریوں پر چلتے پھرتے رہتے ہیں، کہیں کہیں علاقے کا کوڑا کرکٹ ریل کی پٹریوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ پبلک سیفٹی کو یقینی بنانے کے لیے ٹرین کے چلنے کے دوران اس کی حفاظت کی کم سے کم ضرورت ہوگی۔ بات اس لیے برمحل ہے کہ ٹرین ہر پندرہ منٹ بعد پھیرا لگائے گی۔ لیکن سنگین حادثے اور خطرے کا اندیشہ بہرطور باقی رہے گا، کیونکہ راہگیروں کے لیے باڑ کو پھلانگ کر آنے جانے میں زیادہ زحمت نہیں۔ شہر کے زیادہ متمدن علاقے میں سڑکوں کو درمیان میں تقسیم کرنے والی باڑ لوگوں کی خطرناک نقل و حرکت کو روکنے کا یقینی ذریعہ نہیں۔ لوہے کی سلاخوں کو بھی گھما دیا جاتا ہے یا پیدل چلنے والے اس کے اوپر سے پھاند کے نکل جاتے ہیں۔ ہماری عام کچی آبادیوں میں بچوں کو بالعموم دن کے وقت کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے، اس سے حادثوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے لہٰذا کراچی سرکلر ریلوے کی پٹی سے اور متعلقہ ریلوے اسٹیشنوں سے لوگوں کو ہٹانے کا کام یا دوسری جگہ بٹھانے کا کام مرحلہ وار انداز سے ترجیحی بنیاد پر کیا جائے۔

جہاں کہیں ریلوے اسٹیشن بنانے کی تجویز ہو، خاص طور پر ناظم آباد، لیاقت آباد اور گلشن اقبال کے گنجان آباد علاقوں میں وہاں عام لوگوں کی موجودگی اور نقل و حرکت کا زیادہ امکان ہوگا، ان کے بالکل قریب گاڑیوں کی آمد و رفت اور چھوٹا کاروبار بھی زیادہ ہوگا، چونکہ بس کے روٹ ایسے ہوں گے کہ ان کا رابطہ سرکلر اسٹیشن سے بھی ہو، لہٰذا ریلوے

اسٹیشنوں کی طرف گاڑیوں کی بھاری نقل و حرکت ہوگی۔ تجربے سے ظاہر ہے کہ ہاکر اور پھیری والے اس علاقے میں فوراً اپنے اڈے قائم کرلینا چاہیں گے۔

اس طرح کی سرگرمیوں کی اگر صحیح طرح منصوبہ بندی نہیں کی گئی اور انہیں باضابطہ نہیں بنایا گیا تو آس پاس کے علاقے پر جہاں پہلے ہی آبادی بہت گنجان ہے، ماحول پر دباؤ بہت ہے اور زمین کے استعمال میں بے ضابطگی بہت ہے، پہلے سے بھی زیادہ ناگوار اثرات مرتب ہوں گے۔ اس طرح کی تشویشناک کیفیت کو سمجھنے کے لیے ناظم آباد، لیاقت آباد، گلشن اور لیاری کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس سارے عمل میں بسوں اور نجی گاڑیوں کے لیے پارکنگ کی جگہ بنانے، ہاکر اور پھیری والوں کے لیے گنجائش پیدا کرنے اور انہیں ضابطے کا پابند بنانے، اوسط اور بڑے پیمانے کی کاروباری سرگرمیوں کو محدود کرنے یا سرے سے ممنوع قرار دینے، غرض کہ ان کاموں کو منصوبے میں شامل کرنا ہوگا، اس طرح کے ضوابط کے نہ ہونے سے اندیشہ ہے کہ اراضی کے استعمال میں صریح بے اعتدالی، زون سے انحراف اور اراضی پر ناجائز قبضے کا عمل بڑھ جائے گا۔ اس سے کثافت بڑھ جائے گی۔

شہر کے اندر ایک ٹرمینل (آخری) اسٹیشن بنانے کی تجویز بھی ہے۔ ٹرمینل اسٹیشن کی تعمیر اور اس کے استعمال سے متعلقہ علاقے میں زمین کی حیثیت بدل جائے گی، اس کی خصوصیات اور نوعیت میں بھی تبدیلی آئے گی۔ اس کے معاون سہولتوں کے نظام میں متعلقہ جگہ پر گندے پانی کے اخراج کے طریقے کو بھی دیکھنا ہوگا اور بڑی احتیاط سے اس کا جائزہ لینا ہوگا اس طرح کا منصوبہ جس میں علاقے کے اندر کثافت کی مقدار کے بڑھ جانے کا یقینی امکان ہو، آبادی زیادہ گنجان ہو جائے جمالیات پامال ہوں اور زمین کی قیمت گھٹ جائے اور ان سب کے جواب میں ملازمت کے مواقع بھی پیدا نہ ہوں تو زیادہ اندیشہ یہی ہے کہ پبلک ایسے منصوبے کو پسند نہیں کرے گی۔

کراچی سرکلر ریلوے کی پٹی پر ناجائز قبضے کا معاملہ ایسا ہے کہ اسے تاخیر کے بغیر جلد حل کرنا ہوگا، زمین کی اس پٹی کو جلد صاف کرنا ہوگا تاکہ عام لوگوں کو تحفظ حاصل ہو اور سرکلر ریلوے میں آئندہ توسیع کے لیے گنجائش پیدا ہوسکے

کراچی سرکلر ریلوے کی پٹی پر ناجائز قبضے کا معاملہ ایسا ہے کہ اسے تاخیر کے بغیر جلد حل کرنا ہوگا۔ زمین کی اس پٹی کو جلد صاف کرنا ہوگا تاکہ عام لوگوں کو تحفظ حاصل ہو اور سرکلر ریلوے میں آئندہ توسیع کے لیے گنجائش پیدا ہوسکے۔ لہٰذا اس امر کی سفارش کی جاتی ہے کہ قابضین کو ہٹانے میں ترجیحی بنیاد پر کام کیا جائے۔ ترجیح کی بنیاد یہ ہوگی کہ پبلک کی حفاظت کے لیے زیادہ خطرات کہاں درپیش ہیں، ناجائز قبضہ کس جگہ زیادہ ہے (جیسے ریلوے اسٹیشن کی جگہ) اور مستقبل کے قلیل مدت اور طویل مدت کے منصوبے بہرطور، ناجائز قابضین کو ہٹانے کے عمل کو ایک مناسب اور موزوں آبادکاری کے منصوبے سے جوڑنا ہوگا، جس کے لیے آبادکاری کی جگہ حاصل کرنی ہوگی اور اسے ترقی دینی ہوگی، اس طرح کہ یہ سلسلہ ہٹائے جانے کے منصوبے سے ہم آہنگ ہو بلکہ اس سے پہلے مکمل ہو، آبادی کو اٹھانے اور دوبارہ بسانے کا عمل شفاف ہونا چاہیے اور متاثرہ لوگوں کی اس سارے عمل میں بامعنی شرکت ضروری ہوگی، اس میں شہریوں کے گروپ کو بھی شریک کرنا ہوگا تاکہ وہ خراب تجربے نہ ہوں جو ماضی کے شہری منصوبے پر عمل درآمد میں پیش آچکے ہیں۔ ہماری تجویز یہ بھی ہے کہ لیول کراسنگ پر بعض جگہ زمین دوز راستے کی تعمیر پر نظرثانی کرنی ہوگی۔ کمرشل اور رہائشی بستیوں کو ہٹانے اور دوسری جگہ بٹھانے اور شہری سہولتوں کو ایک سے دوسری جگہ لے جانے میں جو مسائل درپیش ہوسکتے ہیں ان کا تخمینہ لگانا اور نظرثانی کرنا بھی ضروری ہے۔ دوسرے متوقع نتائج جو رونما ہوسکتے ہیں، وہ ہیں، عام لوگوں کی حفاظت بھاری گاڑیوں کے لیے عمودی طور پر آمدورفت کی سہولت، پیدل چلنے والوں کے لیے آسانی اور موجودہ منصوبے پر نظرثانی اس کے ساتھ متبادل منصوبے پر غور اور مکمل سفارشات۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی مفید ہوگی کہ کراچی سرکلر ریلوے کے ہر پندرہ منٹ کے پھیرے کی تجویز پر نظرثانی کرلی جائے۔ یہ بات یقینی نہیں کہ لوگوں کی آمدورفت کا جو قرینہ ہے اور لوگوں کی جس قدر تعداد ہے، اس کے لیے ریلوے کا اتنا مصروف شیڈول بنانا ضروری ہوگا۔ اگر پھیرے لگانا کم کردیا جائے تو اس کا بھی امکان ہے کہ بعض لیول کراسنگ جو مسئلہ پیدا کررہے ہیں، مستقل طور پر ختم کردیئے جائیں، اس کے بجائے کہ زمین دوز راستے اور بالائی گزرگاہ کی تعمیر پر بھاری رقم خرچ کی جائے اور اس سے ماحول کے متاثر ہونے کا بھی امکان ہو، فضائی کثافت سے شور کی سنگین کثافت کے پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے جو رہائشی اور کاروباری علاقے سے ٹرین کی مسلسل آمدورفت کی بدولت پیدا ہوگی، اگر سرکلر ریلوے کا شیڈول زیادہ حقیقت پسندانہ ہو تو اس کثافت سے بچا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ اس شیڈول پر نظرثانی کی جائے۔ ہماری یہ تجویز بھی ہے کہ اس منصوبے کو زیادہ موثر اور قابل عمل بنانے کے لیے کراچی سرکلر ریلوے کے مزید اختیاری استعمال کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن (کے ایم سی) نے 1994ء میں ایک منصوبے کا آغاز گاربیج ٹرین پراجیکٹ کے نام سے کیا تھا، تجویز یہ تھی کہ سرکلر ٹرین کے ذریعے شہر کے کوڑے کرکٹ کو اکٹھا کرکے نیشنل ہائی وے پر واقع دھابے جی کے قریبی نشیب کو پاٹ دیا جائے۔

کوڑے کرکٹ کو بسوں میں ڈال کر سرکلر ٹرین تک لے جانے کی تجویز ناقابل عمل معلوم ہوئی، چنانچہ یہ منصوبہ دو ماہ بعد ختم کردیا گیا۔ اب اسے دوبارہ بحال کرکے سرکلر ریلوے کی تجدید نو کے منصوبے میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ کراچی سرکلر ریلوے کے نیٹ ورک کو بعض جگہوں پر مثلاً گیلانی ریلوے اسٹیشن اور منگھوپیر ریلوے اسٹیشن پر ٹرین کی مین سروس کے ذریعے شمال کو جانے والی گاڑیوں سے، جیسا کہ ماضی میں تھا، مربوط کیا جاسکتا ہے۔ اس سے کراچی سٹی اور کراچی کینٹ ریلوے اسٹیشنوں پر مسافروں کا دباؤ کم ہوجائے گا۔

کراچی سرکلر ریلوے خود اپنے طور پر شہر میں سفر کرنے والوں کا سارا بوجھ اٹھانے کی اہل تو نہ ہوگی تاہم اس میں یہ اہلیت تو موجود ہے کہ مسافر برداری کے جو عام ذرائع موجود ہیں ان کے ساتھ موثر رابطہ رکھے اور شہریوں کے لیے ایک مستعد، دوستانہ، قابل عمل اور ان کے مالی وسیلے کے مطابق سروس فراہم کرے۔

فرحان انور
ایگزیکٹو ممبر، شہری سی بی ای اور ایڈیٹر
شہری نیوز لیٹر

(بہ شکریہ: روزنامہ "ڈان")

ش۔ فرخ

ملتان میں پاک بھارت امن مارچ کا اختتام

دونوں ملکوں کے درمیان امن کے قیام سے پورے جنوب ایشیائی خطے میں خوشحالی کے امکانات روشن ہو جائیں گے

واشنگٹن ڈی سی سے صفیہ کاظم کا فون تھا، وہ گزشتہ کئی برسوں سے وائس آف امریکہ کے ساتھ وابستہ ہیں، لیکن ہمیں پاکستان کے الیکٹرونک میڈیا کی یہ خوبصورت آواز ابھی تک یاد ہے۔ صفیہ کہہ رہی تھیں کچھ دیر بعد ہمارے پروگرام ''اپنی دنیا'' میں ''امن کے قیام کے لیے خواتین کا کردار'' کے موضوع پر ریڈیو کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں ہندوستان اور پاکستان کی ممتاز ایکٹیوسٹ خواتین شرکت کریں گی، لائن پر موجود رہیے گا۔

یہ محض اتفاق تھا کہ میں اسی صبح ملتان میں امن کانفرنس میں شرکت کے بعد کراچی لوٹی تھی، پاکستان پیس کولیشن کے زیراہتمام 23 مارچ کو دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے آستانے سے امن مارچ کا آغاز ہوا تھا جس کا اختتام 11 مئی کو ملتان میں حضرت شاہ رکن عالمؒ کے مزار پر ہوا، یہ وہی راستہ تھا جس کے ذریعے خواجہ نظام الدین اولیاؒ شاہ رکن عالمؒ سے ملاقات کے لیے آیا جایا کرتے تھے۔

جب ہم ملتان کے کمہاراں والے چوک پر دہلی سے بذریعہ امرتسر اور لاہور سے آنے والے امن قافلے کا انتظار کر رہے تھے تو مقامی لوگوں کے جوش وخروش کے سامنے موسم کی گرمی دھیمی پڑ گئی تھی، کراچی سے ملتان جانے والے 48 ارکان پر مشتمل ہمارے وفد میں کراچی کے علاوہ اندرون سندھ کے چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں کے مرد اور عورتیں شامل تھیں، بنیادی طور پر منتظمین نے بڑے پیمانے پر امن مارچ کا پروگرام بنایا تھا لیکن راہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہوگئیں، کبھی ویزوں کا مسئلہ، کبھی این او سی کا قضیہ، تو کبھی سیکورٹی کا بہانہ، مگر اہل عمل ہمت نہیں ہارے اور اپنا کام جاری رکھا، دونوں ملکوں کی حکومتوں نے تقریباً 150 افراد کی درخواستیں مسترد کردیں، اس طرح ہندوستان سے صرف 12 افراد اور پاکستان سے 9 افراد کو ویزے دیئے گئے، پاکستان کے وفد میں 3 خواتین بھی شامل تھیں، جن کا تعلق لاہور، لیہ اور ٹوبہ ٹیک سنگھ سے تھا، یہ لوگ جب چناب کے پانی میں پاؤں بھگو کر ملتان کی جانب روانہ ہوئے تو راستے میں ہندوستان کے دیہاتوں کے رہنے والے بار بار سوال کرتے تھے کہ کیا ہم بھی آپ کے ساتھ پاکستان نہیں جاسکتے؟ دہلی کی فلم میکر مونیکا واہی کا کہنا تھا کہ اگر دونوں ملکوں کے درمیان ویزوں کی پابندیاں نہ ہوتیں تو بارہ کے بجائے بارہ ہزار لوگ ہمارے قافلے میں شامل ہوتے، امن قافلہ لاہور سے ملتان کے لیے روانہ ہوا تو راستے میں ساہیوال اور چیچہ وطنی پر مختصر پڑاؤ کیا، ان جگہوں پر ہزاروں لوگ ان کے استقبال کے لیے موجود تھے، ان کا اصرار تھا کہ ہمارے گاؤں چلیں، اس طرح جب یہ لوگ ملتان کا پرانا شہر دیکھنے گئے تو مقامی لوگوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں اور ڈھول کی تھاپ پر اور دھمال ڈال کر انہیں خوش آمدید کہا۔ وائس آف امریکہ کی ریڈیو کانفرنس میں ایک سوال یہ تھا کہ امن کے قیام کے لیے پاکستان کے میڈیا کا کیا کردار ہے؟ کیونکہ اکثر ایسی باتیں شائع ہوجاتی ہیں جو امن کی کوششوں کو نقصان پہنچاتی ہیں، یاد آیا کہ جب ہم پاک انڈیا فورم برائے امن اور جمہوریت کے زیراہتمام 94ء میں دہلی اور پھر 97ء میں کولکتہ گئے تو وہاں کے اخباروں نے امن کانفرنس کو نمایاں طور پر شائع کیا، ہمارے لیے یہ بھی حیران کن تھا کیونکہ ان دنوں پاکستان میں اگر کوئی ہندوستان کے ساتھ بہتر تعلقات کی بات کرتا تھا تو اس پر بھارتی ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا جاتا تھا، لیکن ملتان میں تین روزہ امن کانفرنس کے دوران اخبارات، جیو اور دیگر ٹیلی ویژن چینلز نے بھرپور کوریج دی، روزنامہ ''جنگ'' ملتان نے فورم کا اہتمام کیا۔ یہ ایک مثبت تبدیلی ہے لیکن ہندوستان اور پاکستان میں ایسے انتہاپسند موجود ہیں جو امن نہیں چاہتے اور جو صحافی ایسے گروپس کے حامی ہیں.....''

میرا جملہ ادھورا تھا کہ ٹیلی فون کی لائن کٹ گئی، یہ اس بات کی تصدیق تھی کہ انتہاپسندوں کے حامی ہر شعبے میں موجود ہیں۔

لڑاکا طیارے ایف 16 کا معاملہ عرصہ دراز سے اٹکا ہوا تھا، اس دوران سرکاری اور غیر سرکاری سطحوں پر امن کی کوششیں بھی جاری رہیں امریکہ نے یکا یک پاکستان کو ایف 16 اور ہندوستان کو ایف 18 دینے کا اعلان کردیا، یہ بات بار بار کہی جاتی ہے کہ دونوں ملک اگر اپنے اپنے دفاعی بجٹ پر مختص کثیر رقوم میں کمی کریں تو عوام کی فلاح و بہبود کے کئی منصوبوں پر عمل کیا جاسکتا ہے، یہ ایک تضاد ہے کہ ایک طرف اعتماد سازی کی بات ہوتی ہے تو دوسری طرف لڑاکا طیارے خریدے جارہے ہیں۔

ملتان میں منعقدہ امن کانفرنس میں نو نو کمپین (No-No-Campaign) کا آغاز کیا گیا، یعنی ہمیں لڑاکا طیارے نہیں چاہئیں، ہمیں آزمائشی دھماکے نہیں چاہئیں۔

ایک اندازے کے مطابق ایک ایف 16 کی قیمت 40 ملین ڈالر اور ایف 18 کی قیمت 50 ملین ڈالرز ہے، دونوں ملک یعنی پاکستان 70 اور ہندوستان 100 لڑاکا طیارے خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس مد میں 17000 کروڑ پاکستانی روپے اور 22,500 کروڑ بھارتی روپے خرچ کیے جائیں گے جبکہ پاکستان میں مندرجہ رقم سے 1,70,000 پرائمری اسکول کھولے جاسکتے ہیں جن میں 8.5 کروڑ بچے تعلیم حاصل کرسکیں گے اور ہندوستان میں 2,25,000 پرائمری اسکول کھولے جاسکتے ہیں جن میں 11.25 کروڑ بچے تعلیم حاصل کرسکیں گے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھوٹے ملک دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی پیشکش کو کیوں کر ٹھکرائیں گے، اگر دونوں ملکوں نے لڑاکا طیاروں کی خریداری کے لیے آرڈر نہ دیئے تو فورٹ ورتھ کی فیکٹریاں بند ہوجائیں گی، جس کے نتیجے میں 5 ہزار امریکی ملازمین کی نوکریاں چلی جائیں گی، یاد رہے کہ جنوری 2005ء میں ایسے 225 ملازمین کو سبکدوش کردیا گیا تھا، اب فیصلہ دونوں ملکوں کے اختیار میں ہے کیا وہ جنگی اسلحہ تیار کرنے والے امریکیوں کو برسرروزگار دیکھنا چاہتے ہیں یا اپنے ملکوں میں امن قائم کرکے کثیر رقم بچاتے ہیں، جو تعلیم، صحت اور صاف پانی کے حصول کے لیے خرچ کی جائے اور اپنے ہاں کی غربت ختم کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں، ویسے بھی دونوں ملکوں کے درمیان امن کے قیام سے پورے جنوب ایشیائی خطے میں خوشحالی کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔

(آئی پی سی فیچر سروس)

گلبرگ لاہور کے خاص راستے میں جہاں آم اور شیشم کے درخت تھے انہیں کٹوا دیا گیا اور سایہ ختم ہوگیا

ماحولیات

درختوں کو زندہ رہنے دو

درختوں کی گھنیری شاخیں روح کو تازگی بخشتی ہیں اور چڑیوں کی چہچہاہٹ اُمید سے سرشار کرتی ہے

سلمان رشید

پاکستانی سائے سے نفرت کرتے ہیں اس نسبت سے وہ سایہ دار درختوں سے نفرت کرتے ہیں۔ برگد یا شیشم یا شہتوت کا درخت دیکھتے ہی ان کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے کاٹ کر گرادیں، اسے تباہ کردیں۔ خواہ اس سے کچھ حاصل نہ ہو لیکن وہ یہ کام بڑی خوشی سے کریں گے اور اگر کچھ روپے مل رہے ہوں تو درخت کاٹنے کی انہیں دہری خوشی ہوگی۔ اپنی پچاس سالہ زندگی میں، میں نے لاتعداد درختوں کو سوچے سمجھے بغیر ہوس کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھا ہے، جسے نام نہاد ترقی کا نام دیا گیا ہے، حالانکہ یہ صریح حماقت ہے۔ اندوہناک بات یہ ہے کہ یہ سارے درخت مقامی نوعیت کے تھے، جنہیں ہمارے سفید فام حکمرانوں نے دوراندیشی کے ساتھ لگائے تھے۔ یہ مقامی قسم کے درخت گھنے اور چھتنار تھے۔ ہمارے یہاں جھلسا دینے والی سورج کی تپش میں ان کی بڑی ضرورت تھی۔ یہاں گرمی کا موسم ایک سال میں سات مہینے تو رہتا ہی ہے۔ ان درختوں کی جگہ آسٹریلیا سے بے حساب پانی پینے والے یوکلپٹس درآمد کیے گئے جو ہماری مٹی کو غارت کردیتے ہیں یہ وہ درخت ہیں کہ نہ سایہ دیتے ہیں نہ پرندے ان میں اپنے گھونسلے بناتے ہیں اپنے اردگرد یوکلپٹس کے لاکھوں درختوں پر نظر ڈالیے تو کسی منحوس درخت پر بہت غور سے دیکھنے کے بعد کوئی گھونسلا نظر آئے گا اور وہ نایاب گھونسلا کوّے کا ہوگا۔

یہ تباہ کن صورتحال ہمیں 1960ء کے عشرے کے سال یاد دلاتی ہے جب فوجی حکومت نے ملک میں جنگلوں کا رقبہ بڑھانے فیصلہ کیا۔ خیال دل خوش کن تھا، لیکن عقل سے خالی۔ بس حکومت پاکستان نے حکم صادر کردیا کہ ''ضروری کارروائی کی جائے۔'' محکمے کے کاسہ لیس جانتے تھے کہ غیر ملکی نسل کے یوکلپٹس کو چوپائے چھوتے بھی نہیں، درخت سیدھا اوپر جاتا ہے اور دو سال میں نہایت قدآور بن جاتا ہے۔ یہ مقامی درختوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے۔ اپنی کارکردگی دکھانے اور بے علم آمرِ وقت کو خوش کرنے کے لیے انہیں یہ درخت مثالی نظر آیا، چنانچہ یوکلپٹس کے بیج اس بدنصیب ملک کے طول و عرض میں پھیلا دیئے گئے، زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ قدآور بڑی تباہی ہر طرف سامنے کھڑی تھی۔

محکمہ جنگلات میں کسی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یوکلپٹس زمین کی زیریں تہہ میں پانی کو بے تحاشہ چوس جاتے ہیں، وہ کون سی چیز ہے کہ جس کے باعث زمین میں پانی تیزی سے خشک ہو جاتا ہے، ہمارے ماہرین نے یہ بتانے کی زحمت کبھی نہیں کی۔ پانی کے وسائل کو خشک کرنے میں اس منحوس یوکلپٹس نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کی کسی ماہر نے مذمت نہیں کی۔ یوکلپٹس جڑ پکڑتا گیا اور ہر مرتبہ جب کوئی پیپل یا نیم کا درخت سوکھ کر ختم ہو جاتا تو اس کے جواب میں احمق پاکستانی ایک کی جگہ یوکلپٹس کے کئی درخت لگا دیتے، کئی اس لیے کہ جہاں ہمارے مقامی درخت چھتنار ہوتے ہیں اور چوڑائی میں پھیلتے ہیں اور انہیں زیادہ جگہ درکار ہوتی ہے، اس کے برعکس یوکلپٹس کا تنا پتلا ہوتا ہے اور اونچائی میں جاتا ہے، چونکہ وہ تیزی سے بڑھتا ہے لہٰذا اسے نگہداشت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی چوپایہ اسے کھاتا ہے، اس لیے یوکلپٹس اس لاعلم قوم کا پسندیدہ درخت بن گیا۔

نتیجہ یہ کہ ہم جنہیں گرما کی چلچلاتی دھوپ میں سائے کی ضرورت ہوتی ہے رفتہ رفتہ کرکے مقامی پودوں کے سائے سے محروم ہوتے گئے اور یہ لعنت ہم پر مسلط ہوتی گئی۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب ہمارے یہاں پام کے درخت ہوتے تھے، گلبرگ لاہور کے خاص راستے میں جہاں آم اور شیشم کے درخت پھیل گئے تھے، انہیں احمقانہ طور پر کٹوا دیا گیا تاکہ مشرق وسطی کا سماں پیدا ہو جائے۔ پھر کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ انہوں نے یوکلپٹس کی پانی چوس خصوصیت کو دریافت کرلیا تھا، وجہ صرف یہ تھی کہ مکان کی بیرونی دیوار کے ساتھ پام کے اونچے درخت نمایاں نظر آتے تھے۔ ان کو بھی بڑھنے میں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔

اس تمام نئی زہریلی سوسائٹیوں میں (میں بھی ان ہی میں سے ایک سوسائٹی میں رہتا ہوں) انہوں نے مکانیت پیدا کرنے کے لیے پرانے درخت کٹوا دیے۔ بے علم امراء جنہوں نے یہاں اپنے مکان بنائے ہیں پائن پام ٹری لگائے ہیں، جسے سب اشوکا کہتے ہیں میں اسے

قلفی نری کہتا ہوں، کیونکہ یہ قلفی کی طرح ہوتے ہیں، سایہ ان میں بھی نہیں ہوتا۔ عقل سے عاری یہ لوگ اپنے ڈرائنگ روم کو سورج کی تپش سے بچانے کے لیے ہرے سنتھیٹک کا شامیانہ تان دیں گے لیکن سایہ دار درخت پھر بھی نہیں لگائیں گے۔ لوگوں سے بات چیت کے دوران معلوم ہوا کہ سایہ دار پیڑ چونکہ دیسی ہوتے ہیں اس لیے ایک وبال ہوتے ہیں۔ پیپل کے پیڑ میں جن رہتے ہیں، شیشم پر الّو رہتے ہیں، یہ ایک شاندار پرندہ ہے لیکن ہم کم عقل لوگ اسے خانہ بربادی پر محمول کرتے ہیں اگر ماڈل ٹاؤن، ایچی سن کالج، گلبرگ کے کچھ پرانے علاقے اور لارنس گارڈنز نہ ہوتے (میو گارڈنز تو انشاء اللہ جلد ختم ہو جائیں گے) تو ہم کٹھ بڑھئی کی ٹھک ٹھک کو، جو اپنا کام چھپ کر کرتا ہے اور طلائی پپیہے کی سیٹی جیسی سریلی آواز کو بھول چکے ہوتے۔ یہ ہمارے دیسی درختوں کا آخری جزیرہ رہ گیا ہے۔ 1970ء کے بعد سے نو دولتیوں کی جتنی سوسائٹیاں اور سرکاری اقامت گاہیں تعمیر ہوئی ہیں، ان سب میں صرف اور صرف یوکلپٹس لگائے گئے۔ اب پام کے درختوں کی باری ہے۔

لاہور میں بڑ کا آخری بچا کھچا درخت جو لاہور کے مشرق میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کے ہاسٹل پر اپنا ٹھنڈا سایہ ڈال رہا ہے، اب ایک ہی رہ گیا ہے۔ یہ درخت بہت پرانا ہے۔ اس کے تنے کا گھیر دو میٹر اور درخت تقریباً بارہ میٹر اونچا ہوگا اور اس کی چھتنار شاخیں تقریباً تیس میٹر کے دائرے میں پھیلی ہوں گی۔ اس میں بیسیوں گلہریاں، بلبل، مینا، فاختائیں، گوریاں، چتی دار الّو اور اگر میں غلطی پر نہیں تو مرغ بھی رہتے ہیں۔ کیونکہ میں نے اس بڑ کی گھنی شاخوں کے درمیان سے اس کی اداس کر دینے والی آواز سنی ہے۔ آزادی سے پہلے جب وہ ہاسٹل کی تعمیر کر رہے تھے تو اس درخت کی ٹھنڈی چھاؤں نے مزدوروں کو پناہ دی ہوگی اور خدا کا شکر ہے کہ اس کی عمارت تقسیم سے پہلے بن چکی تھی، ورنہ پاکستانی ٹھیکیدار نے سب سے پہلے تو بڑ کے اس خوبصورت درخت کو کاٹا ہوتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ درخت کس نے لگایا تھا، غالباً قدرتی طور پر اُگ آیا تھا لیکن میں ان عناصر کا شکرگزار ہوں جنہوں نے لاہوریوں پر کئی صدیوں سے اس درخت کی رحمت کا سایہ ڈال رکھا ہے اور ان کے لیے ہوا کو صاف رکھا ہے جس میں وہ سانس لیتے آئے ہیں۔ یقیناً یہ درخت پانچ چھ سو سال سے کم کا تو نہیں ہوگا۔ ذرا قیاس کیجیے کہ شاہجہاں نے دو سو سال پہلے شالیمار باغ کی تعمیر کے بارے میں سوچا تھا اور یہ درخت یہاں اس وقت بھی موجود تھا۔ جب شالیمار گارڈن کے مالی باغبان پورہ میں رہتے تھے۔ یہ اس سے پہلے بھی موجود تھا اور وہ شاید لودھی بادشاہوں کا زمانہ تھا یا سید حکمرانوں کے تھوڑے عرصے کی حکومت کا دور تھا۔

لیکن میں برگد کے درختوں کی لمبی عمر کا اندازہ لگانے میں ماہر نہیں ہوں اور یہ درخت تو یقیناً اس سے بھی پہلے کا ہوگا۔ غالباً اس زمانے میں جب دلّی پر تغلق کی حکمرانی تھی اور ابن بطوطہ مطلب براری کے لیے ان کی چاپلوسی میں لگا رہتا تھا اور لاہور کے من موجی شہری تنگ گلیوں سے نکل کر اس جواں سال درخت کے سائے سے لطف اندوز ہوتے ہوں گے۔ یونیورسٹی کے کیمپس میں آج بھی جن لوگوں کو موقع ملتا ہے، یہی کرتے ہیں۔ اس کی سینکڑوں سال پرانی جڑیں جو آپس میں جڑی ہوئی ہیں تھکے ہوئے جسموں کے لیے بلکہ روح کے لیے بھی ایک مکمل بینچ کا کام دیتی ہیں۔ ذرا اپنی تھکی ہوئی آنکھیں پھیر کر اس کی گھنیری شاخوں کو دیکھیے تو آپ کو روح میں تازگی کا احساس ہوگا، چڑیوں کے چہچہے، مینا کا چہکنا، فاختہ کی خواب آلود کوکو، بلبل کا نغمہ اس کے دل سے نکلی ہوئی آواز، یہ سب آپ کو اس امید سے سرشار کرتے ہیں کہ دنیا ابھی اپنی مسرتوں کے ساتھ باقی ہے۔ لیکن یہ بہت سے اقسام کے جانداروں کی پناہ گاہ اب اپنی بدنصیبی سے دوچار ہونے والی ہے۔ سنا ہے، اس پر کلہاڑا چلنے والا ہے اس کا حکم خود وائس چانسلر کی جانب سے جاری ہوا ہے، جو شخص ایک اعلیٰ درجے کی درسگاہ کا سربراہ ہو، اس سے بہتر فہم و فراست کی توقع کی جائے گی۔ لیکن ایک ریٹائرڈ فوجی جنرل ہونے کی بناء پر ماحولیات کے بارے میں وہ لاعلم ہوگا۔ اسے نہیں معلوم ہوگا کہ اس خوبصورت برگد کی جان بخشی کر کے وہ دنیائے موسم میں ایک مثبت اضافے کا وسیلہ ثابت ہوگا۔ اگر وہ اس درخت کو زندہ رہنے دے گا تو یقیناً اس کے بچوں کو اور ان کے بچوں کو بھی تازہ ہوا برابر ملتی رہے گی۔ بصورت دیگر وہ بھی دوسرے جنگلی لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو درخت کو تباہ کرتے ہیں اور دنیا کی حدت میں قدرے اضافہ کرتے ہیں، چنانچہ چند برسوں کے بعد ہم جس گلیشیر پر آباد ہیں اس کی برف پگھلتی جائے گی اور سمندر میں پانی کی سطح اتنی بلند ہوگی کہ کراچی ڈوب جائے گا۔ درخت کو تباہ کر کے دیکھ لو زمین بھوبھل کی طرح جلی ہوئی نظر آئے گی۔ اور ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس (وائس چانسلر) نے ''قلفی'' جیسے درختوں کی ایک قطار لگانے کا ارادہ کر لیا ہو، یعنی ہاسٹل تک بائل پام یا کھجور کے درختوں کی قطار۔ کیا یہی ہے وہ نام نہاد حسن کاری، ماحول کو تباہ کر کے توازن پیدا کرنے کی کوشش جو صرف ایک درخت کو کاٹ دینے سے حاصل ہوگی؟ ہمیں پاکستان میں سائے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے دیسی پودے چاہئیں، پانی چوس جانے والے بے ہنگم درخت یا پام نہیں چاہئیں جن میں کوئی زندگی نظر نہیں آتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دوزخ سے نکال کر یہاں لائے گئے ہیں۔ کیا وائس چانسلر صاحب ایک لمحے کے لیے سوچیں گے کہ جب ہم درخت کو اور اپنے تمام مقامی نسل کے درختوں کو کاٹ دیں گے تو یہ پرندے کہاں جائیں گے، ماحول کے میسر نہ آنے سے یہ سب مر جائیں گے۔ میں نے ڈورنڈ کے باغات میں لمبی چونچ والے پرندوں کو پھڑپھڑاتے ہوئے دیکھا ہے۔ 1960ء کے عشرے میں ڈیوس روڈ اور سندر داس روڈ پر ان کو اپنے پر کھول کر اڑتے ہوئے دیکھا، اب وہاں کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ درخت نہیں رہے۔ اور پھر یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ صبح کے خاموش جھٹپٹے میں چڑیوں کی روح پرور موسیقی بھی میسر نہ ہو۔ مرغ زریں کی دلآویز سریلی سیٹی جیسی آواز اور بلبلوں کے نغمے سننے کو نہ ملیں۔ یہ ایک ویران زندگی ہوگی، ایسی کہ گزاری نہ جا سکے۔ اگر اس کی نوبت آ گئی تو دنیا پر ایسا سناٹا مسلط ہوگا کہ انسان کی روح پارہ پارہ ہو جائے گی۔

اس برگد کو کاٹ دینے کے لیے یہ بہانہ بنایا جاتا ہے کہ اس کی جڑیں عمارت تک پہنچ رہی ہیں، لیکن یہ معاملہ تو اس وقت سے چل رہا ہے، جب یہ عمارت تعمیر کی گئی تھی اور اس وقت اس عمارت اور درخت دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ یہی ایک معقول دلیل ہے جو ایک بے درد انسان پانچ سو سال پرانے درخت کو کاٹنے کے لیے پیش کر سکتا ہے اور برگد کی لکڑی کی تو کوئی قیمت ہی نہیں کہ اس کے ذہن میں مال بٹورنے کا خیال آیا ہو۔ برگد کی زندگی کا حاصل تو اس وقت تک ہے جب تک وہ زندہ ہے اور نوع بہ نوع زندگی کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ ایسا کوئی شخص ہو جو وائس چانسلر کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ درخت کو زندہ رہنے دیں۔ اس کی شاخوں میں چڑیوں کو گھونسلے بنانے دیں، انڈے دینے دیں تاکہ زندگی کا تسلسل جاری رہے اور خدا کی زمین پر نغموں کی بارش ہوتی رہے۔ درخت کو زندہ رہنے دیں تاکہ اس ہوا کو صاف رکھے جس میں ہم سانس لیتے ہیں، ہم ان سب سے اور خاص طور پر چانسلر اور صوبے کے گورنر خالد محمود سے درخواست کرتے ہیں کہ اس شاندار درخت کو تباہی سے بچا لیں۔ یہ درخت اور ایسے بہت سے درخت ہمارے لیے نجات کا ذریعہ ہیں جو ہم ہمیشہ کی پھٹکار سے بچے ہوئے ہیں۔ درختوں کو زندہ رہنے دیجیے۔ ❀❀❀

(بشکریہ ''دی نیشن'')

رضوان احمد طارق

سب اچھا ہے.....! کورنگی کا صنعتی علاقہ

بیرون ملک سے آنے والے گاہک یہاں کی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، ہمیں ان سے جھوٹ بولنا پڑتا ہے کہ بہتری کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں

کراچی بیرون ملک ایک صنعتی اور تجارتی شہر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہاں سائٹ، لانڈھی، کورنگی، فیڈرل بی ایریا اور شمالی کراچی صنعت کے حوالے سے جداگانہ پہچان رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں شہر کے دیگر حصوں میں بھی چھوٹی صنعتیں قائم ہیں۔ کورنگی میں صنعتی علاقہ قائم کرنے کے لیے 1960ء میں سرکاری طور پر اعلان کیا گیا اور اس کے پہلے ایڈمنسٹریٹر جنرل اعظم خان مقرر کیے گئے۔ اس علاقے کو ترقی دینے کی ذمہ داری کالعدم کے ڈی اے کو اور دیکھ بھال کی ذمہ داری کالعدم کے ایم سی کو سونپی گئی۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ ان دونوں اداروں کی لڑائی کے باعث یہ علاقہ ترقی نہیں کر سکا، کیونکہ کے ڈی اے کا کہنا تھا کہ اس نے ترقیاتی کام کر کے علاقے کو کے ایم سی کے حوالے کر دیا ہے اور کے ایم سی کے حکام کہتے تھے کہ علاقہ ان کے حوالے نہیں کیا گیا۔ اس صورتحال میں اس علاقے کا نظام عارضی اور وقتی فیصلوں کے تحت چلتا رہا۔ اس صنعتی علاقے کے معاملات سے واقفیت رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ 1960ء میں اس علاقے کی ترقی کے لیے جو نقشہ اور منصوبہ بنایا گیا وہ بہت عمدہ تھا۔ اگر اس نقشے اور منصوبے پر عمل ہوتا تو یہ ایشیا کا ایک مثالی صنعتی علاقہ ہوتا۔ 1960ء کی منصوبہ بندی کے مطابق ابراہیم حیدری کے ساحل کو ترقی دے کر علاقے کو خوبصورت بنانا تھا اور یہاں ریزورٹس بنانے کا بھی منصوبہ تھا، لیکن عملاً یہ صنعتی علاقہ نہایت بدصورت تصویر پیش کرتا ہے۔ جہاں جگہ جگہ گندا پانی کھڑا ہے اور اس کی سڑکیں خستہ حالی کی منہ بولتی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ گزشتہ دنوں اس علاقے کے لیے حکومت سندھ نے سائٹ کی طرز پر کورنگی انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹ (کائٹ) بنانے اور اس کے لیے 25 کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا۔ یہ اقدامات اس علاقے کے مسائل حل کرنے میں کس حد تک مدد معاون ثابت ہوں گے اور اس علاقے کے مسائل کس نوعیت کے ہیں؟ یہ جاننے کے لیے کورنگی ایسوسی ایشن آف ٹریڈ اینڈ انڈسٹری (کاٹی) کے سابق اور موجودہ عہدے داروں سے خصوصی گفتگو کی گئی۔

محمد یوسف شیخ (قائم مقام چیئرمین، کاٹی)

وزیراعلیٰ سندھ نے گزشتہ دنوں کائٹ کے لیے 25 کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا تھا۔ اس سے قبل کراچی پیکج میں کورنگی کے صنعتی علاقے کی ترقی کے لیے ڈیڑھ ارب روپے مختص کرنے کا اعلان ہوا تھا، لیکن اس پیکج پر عملدرآمد ہوتا آج تک نظر نہیں آیا۔ کورنگی کے صنعتی علاقے میں واقع سڑکوں کی حالت بہت خراب ہے۔ مرکزی شاہراہ جگہ جگہ پانی سے بھری ہوئی ہے، روزانہ صبح سے شام تک گھنٹے دو گھنٹے کے لیے غیر اعلانیہ طور پر بجلی کی فراہمی میں تعطل معمول کی بات ہے۔ ہماری اطلاع کے مطابق کراچی پیکج کے تحت اس علاقے کی ترقی کے لیے وفاق سے فنڈ حکومت سندھ کو منتقل ہو چکا ہے۔

حسام اے رزاق (رکن مینجنگ کمیٹی، کاٹی)

علاقے میں سڑکوں کی حالت ناقابل بیان ہے اور ان پر جگہ جگہ گڑھے پڑ چکے ہیں اور گندا پانی کھڑا رہتا ہے۔ سیکٹر نمبر 23 اور 24 میں دو تین ماہ قبل نالہ دھنس گیا تھا۔ اس پر تاحال کسی نے کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ علاقے میں آئے روز گاڑیاں اور موبائل فون چھیننے کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں۔ بیرون ملک سے آنے والے گاہک یہاں کی حالت دیکھ کر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ہمیں ان سے جھوٹ بولنا پڑتا ہے کہ بہتری کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

احتشام الدین (صنعت کار)

کورنگی کے صنعتی علاقے کے بنیادی ڈھانچے کی حالت بہت خراب ہے۔ وزیراعلیٰ کا اقدام قابل تعریف ہے۔ بنیادی ڈھانچہ بہتر ہوگا تو یہاں تیار ہونے والی مصنوعات کا معیار بہتر ہوگا۔ پیداواری لاگت کم ہوگی اور صنعت کار وقت پر مصنوعات فراہم کر سکیں گے۔ بارش کا موسم سر پر ہے اور یہاں مرکزی شاہراہ سے لے کر اندرونی سڑکوں تک کا حال بہت برا ہے۔ بجلی کی فراہمی میں روزانہ تعطل کے باعث صنعتی عمل درمیان میں رک جاتا ہے اور پیداوار متاثر ہوتی ہے۔ اگر ہمارا یہی حال رہا تو ہم دنیا کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے۔ یہاں ایفلیومنٹ پلانٹ لگانے کے لیے وزیراعظم اصولی طور پر منظوری دے چکے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کب لگتا ہے۔ امن و امان کی صورتحال پہلے کے مقابلے میں بہتر ہوئی ہے اور علاقے میں مددگار 15 کا مرکز قائم کر دیا گیا ہے۔

اکبر فاروقی (رکن مینجنگ کمیٹی، کاٹی)

ہمارا طویل عرصے سے یہ مطالبہ تھا کہ سائٹ کی طرح کورنگی کے لیے کائٹ لمیٹڈ کا ادارہ بنایا جائے۔ گزشتہ دنوں وزیراعلیٰ سندھ نے ہمارا یہ مطالبہ ماننے کا اعلان کر کے کائٹ کے لیے 25 کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا۔ یہ ایک قابل تعریف اقدام ہے۔ اس ادارے کے قیام سے اس علاقے کے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ ہمارا یہ بھی دیرینہ مطالبہ ہے کہ کورنگی کے صنعتی علاقے سے جمع کیے جانے والے تمام ریونیو اور سرکاری گرانٹ کو خرچ کرنے کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی جائے اس میں 40 فیصد نمائندگی کاٹی کے ارکان کی ہونی چاہیے۔ تعمیر کراچی پیکج کے تحت کراچی کی شہری حکومت کو وفاق سے 30 کروڑ روپے مل گئے ہیں لیکن اس رقم سے ترقیاتی کام کب شروع ہوں گے۔ اس بارے میں ہم لاعلم ہیں۔ علاقے میں امن و امان کی صورتحال پہلے کے مقابلے میں بہتر ہے۔ سیوریج کا نظام تباہ ہو گیا ہے۔ تاہم علاقے کی اندرونی سڑکیں بنانا شہری حکومت کی ذمہ داری ہے۔ گندے پانی کی نکاسی کا نظام یہاں بہت خراب ہے۔ یہ مسئلہ حل کرنے کے لیے ایشیائی ترقیاتی بینک ٹریٹمنٹ پلانٹ دینے کے لیے تیار ہے۔ بجلی کی فراہمی میں تعطل سے صنعت کار بہت پریشان ہیں۔ کے ای ایس سی کے سربراہ نے گزشتہ دنوں ایک ملاقات میں یہ مسئلہ حل کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ لیکن چھوٹی صنعتوں کے مالکان کے لیے جنریٹر لگانا بھی ایک مسئلہ ہے۔ وہ اتنا سرمایہ کہاں سے لائیں گے۔

(بشکریہ ''جنگ مڈ ویک'' کراچی)

کثافت

شہری رپورٹ

آبادی میں اضافہ ماحول کو سنگین بنا رہا ہے

وزارت بہبود آبادی حکومت پاکستان نے شہریوں کو خبردار کیا ہے کہ آبادی میں اضافے اور ماحول میں انحطاط کے درمیان ایک نازک سا تعلق موجود ہے، پاکستان کے لیے تشویش کی بات یہ بھی ہے کہ نقصان برابر بڑھتا جا رہا ہے قدرتی ماحول پارہ پارہ ہو کر زوال کی طرف جا رہا ہے

پاکستان کو جس کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور آبادی کا بہت زیادہ انحصار قدرتی ذرائع پر ہے، بہت سے ماحولیاتی مسائل درپیش ہیں۔ ان میں سے چند مسائل فوری توجہ کا مطالبہ کرتے ہیں، یعنی سیم اور تھور کے نتیجے میں جو آبپاشی کے ناقص طریقوں کے باعث ہیں زرعی زمینوں کا اتلاف، کھاد اور جراثیم کش ادویہ کے بکثرت استعمال کے نتیجے میں مٹی اور تازہ پانی کے وسائل کا زیاں، جنگلات کا ختم کیا جانا، پانی کا کھڑا رہنا جلانے کے لیے لکڑی کی کٹائی اور چوپایوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دینا جو جنگلی حیات کو تباہ کر دیتے ہیں، زمین کا کٹاؤ اور جھیلوں اور آبی ذخائر کا تہہ نشین ہونا، تازہ پانی کے ذرائع کا آلودہ ہونا، ساحلی علاقوں اور آبی پودوں کے جنگلات کی زوال پذیری۔ یہ ہیں وہ مسائل جو پاکستان کو درپیش ہیں۔

آبادی نہایت تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس کے ساتھ شہروں کے نمودار ہونے کی شرح بہت تیز ہے۔ 1951ء میں پانی کی فی کس فراہمی 5650 کیوبک میٹر تھی، جو اب 1200 کیوبک میٹر رہ گئی ہے، اور تیزی سے گھٹتی ہوئی ایک ہزار کیوبک میٹر تک پہنچنے والی ہے۔ اس کے علاوہ شہری اور صنعتی فضلے کو جن کی صفائی نہیں ہوتی، پانی کے موجودہ وسائل کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں کہ وہی ناصاف پانی، صاف پانی کے ذخائر تک پہنچ رہا ہے۔

ایک اور نقصان دہ نتیجہ زمین کی کثافت کا ہے۔ پاکستان ہر روز اوسطاً 74,920 ٹن کوڑا کرکٹ پیدا کرتا ہے۔ اسے ٹھکانے لگانے کا اور ناصاف پانی کی صفائی کا نظام موجود نہیں، چنانچہ شہری علاقوں میں ہر روز گندگی بڑھتی جاتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں کوڑے کرکٹ کا 80 فیصد انبار اس طرح ٹھکانے لگایا جاتا ہے کہ اسے کھلی جگہ پر ڈال دیتے ہیں۔ گزشتہ دس سال کے اندر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار میں 43 فیصد اضافہ ہوا ہے جب کہ فی کس (CO_2) کاربن کا اخراج 12 فیصد بڑھ گیا ہے، حالانکہ دنیا بھر میں دو فیصد کمی دیکھی گئی ہے، باقی دنیا میں CO_2 کے نصف سے زیادہ اخراج کا سبب سیال ایندھن کا استعمال ہے۔ پاکستان میں اضافے کا باعث یہاں کا ٹرانسپورٹ ہے۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں پچھلے دس سال کے اندر موٹر سائیکلوں اور کاروں کی تعداد تین گنا بڑھ گئی ہے۔ پاکستان میں سڑکوں پر گاڑیوں کا ہجوم بڑھ گیا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ کا اخراج اور شور بڑھ گیا ہے اور ماحولیاتی انحطاط کے بہ اعتبار مجموعی یہی بڑے اسباب ہیں۔

ایک طرف تو زہریلی گیس کا اخراج بڑھ رہا ہے، دوسری طرف جنگلات کا رقبہ گھٹ رہا ہے۔ پاکستان میں قدرتی جنگلات کا مجموعی رقبہ ایک اعشاریہ تین ملین ہیکٹر ہے۔ صرف پچھلے دس برس میں یہ رقبہ ایک تہائی گھٹ گیا ہے۔ باقی دنیا بھر میں جنگلات کے رقبے میں کمی کی شرح 4 فیصد تھی۔ یہاں جنگلات کی تخفیف میں سالانہ اعشاریہ صفر دو سے اعشاریہ صفر پانچ کی تخفیف پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ جنگلات کے رقبے میں تخفیف کی بڑی وجہ جلانے کے لیے اور گھر بنانے کے لیے لکڑی کا بے دریغ استعمال ہے اور اس کی بنیاد آبادی میں زبردست اضافہ ہے۔ حیاتی تنوع کا زیاں پاکستان میں تشویش کا ایک اور علاقہ ہے اور اس کا بنیادی سبب انسانی آبادی میں ناقابل برداشت اضافہ ہے، صنعتی فضلہ ہے اور نباتیاتی وسائل کا ناقص استعمال ہے، پاکستان کے لیے تشویش کی بات یہ بھی ہے کہ نقصان برابر بڑھتا جا رہا ہے، قدرتی ماحول پارہ پارہ ہو کر زوال کی طرف جا رہا ہے، پودوں اور جانداروں کی اقسام ختم ہو چکی ہیں اور جو موجود ہیں ان کا وجود بھی خطرے میں ہے۔

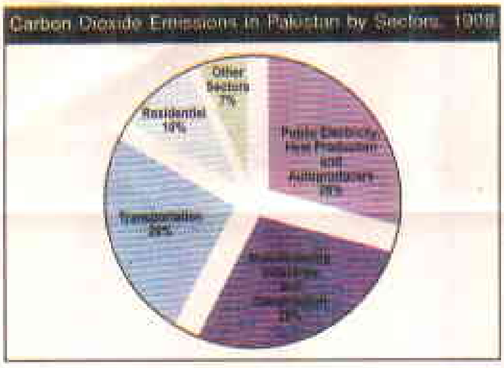

تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کا ایک براہ راست اثر انرجی کے وسائل پر ہوا ہے، جس پر دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ توانائی کی مجموعی مقدار کا نصف سے زائد حصہ رہائشی شعبے میں صرف ہو جاتا ہے، اس کے بعد صنعت اور ٹرانسپورٹ کے شعبے آتے ہیں جو تیز رفتاری سے پھیل رہے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کا انحصار انرجی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے درآمدی تیل پر ہے۔ پاکستان تیل کی خریداری پر ہر سال تین بلین امریکی ڈالر خرچ کرتا ہے۔

اگرچہ ماحول کے تحفظ اور بقاء کے لیے قانونی اور انتظامی ڈھانچے وضع کیے گئے ہیں اور ان کے نفاذ کے لیے اہم تدابیر کی گئی ہیں، لیکن بڑے اقدامات کے نفاذ کی ضرورت اس وقت بھی ہے۔ ماحولیات کی تباہی، کثافت کی بڑھتی ہوئی سطح اور جنگلات کی کٹائی کے نتیجے میں پاکستان خوفناک بربادی کی حد پر پہنچ گیا ہے۔

(بشکریہ: وزارت بہبود آبادی، حکومت پاکستان)

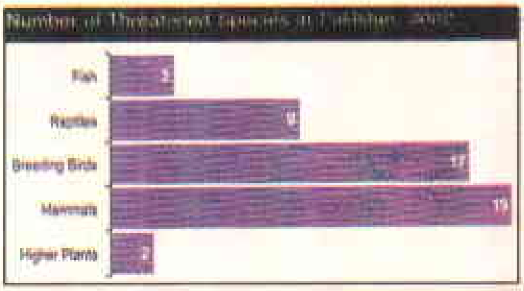

Audio Visual Training Program
for Hut Chowkidars of
Sandspit/Hawksbay Beaches